باسمہٖ تعالیٰ

خطاب بتقریب یومِ پیدائش قائدِ اعظمؒ

تحریکِ پاکستان کے مخالف علماءُ

انہوں نے اپنی شکست کا بدلہ کیسے لیا....؟

پرویزؔ

باسمہٖ تعالیٰ

خطاب بتقریب یومِ پیدائش قائدِ اعظمؒ

تحریکِ پاکستان کے مخالف علماء

(انہوں نے اپنی شکست کا بدلہ کیسے لیا؟)

پرویز

عزیزانِ من! السلام علیکم۔

آج کے درس میں مجھے وہ کچھ دُہرانا پڑ رہا ہے جسے میں تقسیمِ ہند سے پہلے اور گذشتہ تیس سال سے پاکستان میں پیش کرتا چلا آرہا ہوں۔ مجھے اس تکرار کے لئے کسی معذرت خواہی کی ضرورت نہیں کیونکہ یہ ایسی بنیادی حقیقت ہے جسے سمجھے اور عمل میں لائے بغیر وہ مقصد پورا نہیں ہو سکتا جس کے لئے مملکتِ پاکستان متشکل کی گئی تھی۔

عام طور پر سمجھا یہ جاتا ہے کہ مطالبۂ پاکستان کی مخالفت، انگریز اور ہندو نے کی تھی اور انہی کے خلاف ہماری جنگ تھی۔ یہ ٹھیک ہے کہ مطالبۂ پاکستان کی مخالفت انگریز اور ہندو کی طرف سے ہوئی تھی لیکن واقعہ یہ ہے کہ اس کی مخالفت اُن سے کہیں زیادہ اور شدید، ہمارے علماءِ کرام کی طرف سے ہوئی تھی۔ اگر ان کی طرف سے مخالفت نہ ہوتی تو نہ پاکستان کے حصول میں اس قدر دشواریاں پیش آتیں، نہ سرحد اور آسام میں ریفرنڈم ہوتا، نہ پنجاب اور بنگال کی تقسیم ہوتی، نہ کشمیر ہمارے ہاتھ سے جاتا، نہ ہی لاکھوں کی تعداد میں ہماری جانیں تلف ہوتیں، نہ ہی ہماری عزتیں لٹتیں اور عصمتیں برباد ہوتیں۔ ہمارا المیہ یہ ہے کہ آج تک پاکستان کی کوئی مستند تاریخ مرتب نہیں ہوئی جس میں اس موضوع پر تفصیلی بحث ہوئی ہو۔ میں اسے بار بار اس بنا پر دہراتا ہوں کہ میں نہ صرف اس جنگ میں ایک سپاہی کی طرح شریک تھا بلکہ علماء حضرات کی طرف سے مخالفت کی مدافعت کا فریضہ میرے سپرد تھا۔ جب کبھی تحریکِ پاکستان کی صحیح تاریخ مرتب ہوگی تو طلوعِ اسلام کے فائل اس کے مستند ماخذ ہوں گے۔

جیسا کہ واضح ہے، اس جنگ میں ایک طرف علامہ اقبالؒ اور قائدِ اعظمؒ تھے اور دوسری طرف (چند مستثنیات کے سوا) تمام علماءِ کرام، بالخصوص علماءِ دیوبند۔ سوال یہ ہے کہ اس جنگ میں بنائے مخالفت کیا تھی؟

بنائے مخالفت

بنائے مخالفت یہ تھی کہ اقبالؒ اور قائدِ اعظمؒ ایک ایسی مملکت قائم کرنا چاہتے تھے جس میں حکمرانی حقیقی اسلام کی ہو، اور علماء حضرات اس کے مخالف تھے۔

نظر بظاہر یہ بات عجیب سی لگے گی کہ علماء حضرات، جو اسلام کی علمبرداری اور نمائندگی کے مدعی ہیں اور جن کی ہستی کی وجہ جواز بھی ہے، وہ ایسی مملکت کے حصول اور قیام کے مخالف کس طرح ہو سکتے تھے جو اسلامی حکومت قائم کرنے کے لئے حاصل کی جا رہی تھی! آپ کا تعجب بالکل بجا اور درست ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمارے سامنے نہ اسلام کا صحیح تصور ہے، نہ کسی عقیدہ، مسلک، مشرب یا شعار کا اسلامی یا غیر اسلامی ہونے کے متعلق کوئی متعین معیار، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ جس کا جی چاہتا ہے کسی بات کو اسلامی کہہ دیتا ہے، جس کا جی چاہتا ہے اسے غیر اسلامی قرار دے دیتا ہے۔ اقبالؒ اور قائدِ اعظمؒ کا کہنا یہ تھا کہ جس اسلام کے علمبردار یہ علماء حضرات ہیں، وہ حقیقی اسلام نہیں۔ ہمارے دورِ ملوکیت کا وضع کردہ اسلام ہے۔ اور علماء صاحبان اس اسلام کو جسے اقبالؒ اور قائدِ اعظمؒ پیش کرتے تھے، کفر سے تعبیر کرتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے ان کے خلاف کفر کے فتوے صادر کئے تھے اور کہتے تھے کہ ان کے تصور کے اسلام کی رو سے، پاکستان میں جو حکومت قائم ہوگی، وہ "مسلمانوں کی کافرانہ حکومت" ہوگی۔ یہ بات غور سے سمجھنے کی ہے کہ وہ متضاد اسلام کیا تھے اور ان میں حقیقی اسلام کونسا تھا۔

قرآنِ کریم نے یہ کہہ کر، کفر اور اسلام میں واضح اور متعین خطِ امتیاز کھینچ دیا کہ

وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ (۵/۴۴)

جو لوگ قرآن کے مطابق حکومت قائم نہیں کرتے انہی کو کافر کہا جاتا ہے۔

اسلامی حکومت

اس سے واضح ہے کہ جو حکومت قرآنِ کریم کے مطابق قائم ہوگی اور اس کے قوانین و احکام بھی اسی کے مطابق ہوں گے، اسے اسلامی حکومت کہا جائے گا۔ جو اس معیار پر پوری نہیں اترے گی، وہ غیر اسلامی ہوگی، خواہ کہنے والے اسے لاکھ اسلامی کہیں۔ لیکن قرآنِ کریم کی صورت یہ ہے کہ اس میں (بجز چند احکام) ایسے اصول دیئے گئے ہیں جو زندگی کے تمام گوشوں کو محیط ہیں۔ یہ اصول ابدی اور غیر متبدل ہیں۔ اسلامی مملکت، ان اصولوں کی حدود کے اندر رہتے ہوئے، انہیں بروئے کار لانے کے طریق، اُمّت کے مشورہ سے خود وضع کرے گی۔ یہ اصول اور حدود ہمیشہ غیر متبدل رہیں گے، لیکن انہیں بروئے کار لانے کے لئے جو جزئی احکام وضع کئے جائیں گے وہ زمانے کے تقاضوں کے مطابق بدلتے رہیں گے۔ (علامہ اقبالؒ کی اصطلاح کے مطابق) ثبات و تغیر کے اس حسین امتزاج سے، اسلام، ابدالآباد تک ایک زندہ نظامِ زندگی کی صورت میں زندہ و درخشاں رہے گا۔ حضور نبی اکرمؐ والذین معہٗ، (یعنی صحابہ کبارؓ) نے اسی اسلام کو عملاً قائم کیا تھا۔ اس دور میں ابدی اور غیر متبدل صرف کتاب اللہ کی قائم کردہ حدود کو سمجھا جاتا تھا۔ مملکت کے وضع کردہ جزئی قوانین و احکام قابلِ تغیر و تبدل ہوتے تھے۔

ملوکیت کا دور

یہ نظام کچھ عرصہ تک قائم رہا۔ اس کے بعد ملوکیت آگئی۔ ملوکیت سے مراد ہے ایسی حکومت، جو قرآن کے منشاء کے مطابق، اُمّت کے مشورہ سے قائم نہ ہو، بلکہ بزورِ شمشیر مسلط کی جائے۔ ظاہر ہے کہ اس حکومت کو اسلام سے کچھ واسطہ نہیں تھا جس کی بنیاد ہی غیر اسلامی ہو، وہ حکومت اسلامی کیسے کہلا سکتی ہے، اور اس کے وضع کردہ احکام اسلامی شریعت کیسے

قرار پاسکتے ہیں؛ یہ مسلمانوں کی حکومت تھی اور اس کے قوانین و احکام سیکولر۔ اس وقت سے آج تک ہماری (مسلمانوں کی) حکومتوں کی یہی کیفیت چلی آرہی ہے۔ ان سلاطین نے امورِ مملکت اپنے ہاتھ میں رکھ لئے تھے، اور افراد کی نجی زندگی کے متعلق امور کو علماء کی تحویل میں دے دیا تھا۔ اس کے لئے اس زمانے کے ماہرین قوانین نے کچھ قوانین مرتب کئے، انہیں فقہی قوانین کہا جاتا ہے۔ ان میں سے حکومت جن قوانین کو مفید مطلب سمجھتی بطور قانونِ مملکت نافذ کر دیتی اور یوں اپنے آپ کو، یا دوسروں کو فریب میں مبتلا کر دیتی کہ وہ اسلامی ہے۔

ان قوانین کی کیفیت یہ تھی کہ

(۱) مختلف فقہاء نے اپنی اپنی فقہیں الگ الگ مرتب کی تھیں۔ تعداد کے لحاظ سے تو یہ بکثرت تھیں لیکن ان میں سے اس وقت صرف چند ایک مشہور اور مروّج ہیں۔ شیعوں کی فقہ جعفری اور سنیوں کی حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی فقہ۔ ہر فقہ کا ماننے والا ایک الگ فرقہ سے متعلق ہوتا ہے۔ ان فرقوں کے باہمی اختلافات کا اندازہ صرف ایک واقعہ سے لگا لیجئے۔

آپ کو یاد ہوگا کہ (نام نہاد) تحریک نظامِ مصطفےٰ کے سلسلہ میں متحدہ محاذ قائم کیا گیا تھا جس میں مختلف فرقوں کے علماء شامل تھے۔ رمضان کی ایک شام یہ حضرات، (مرحوم) چوہدری ظہور الٰہی کی کوٹھی پر افطار کے لئے جمع تھے۔ افطار میں تو یہ ایک میز پر جمع تھے لیکن اس کے بعد جب یہ نماز کے لئے اٹھے تو (مرحوم) مفتی محمود اپنے ہم فرقہ نمازیوں کو لے کر ایک طرف کو ہو لئے اور (مولانا) نورانی دوسری طرف۔ اور

نمازیں الگ الگ

اس طرح ایک لان میں دو الگ الگ جماعتیں ہوئیں۔ مفتی محمود اور مولانا نورانی میں شیعہ سنّی کا فرق نہیں تھا۔ دونوں سنّی تھے۔ نہ ہی ان میں اہلِ حدیث اور اہلِ فقہ کا فرق تھا۔ دونوں اہلِ فقہ تھے۔ پھر ان میں حنفی، شافعی فقہ کا بھی فرق نہیں تھا۔ دونوں حنفی فقہ کے پابند تھے۔ دونوں میں چند فروعی عقائد کا اختلاف تھا جن کی وجہ سے، ایک دوسرے کے پیچھے نماز نہیں پڑھ سکتے تھے۔ ایک دوسرے کے پیچھے تو ایک طرف رہا۔ ایک دفعہ (مولانا) نورانی صدر جنرل ضیاء الحق سے ملنے کے لئے گئے۔ دورانِ ملاقات صاحبِ صدر نے ان سے کہا کہ انہیں یہ معلوم کر کے بڑی خوشی ہوئی ہے کہ آپ ہر فرقہ کے امام کے پیچھے نماز ادا کر لیتے ہیں۔ نورانی صاحب نے کھٹ سے جواب دیا کہ آپ تک یہ خبر غلط پہنچی ہے۔ ہر ایک امام تو ایک طرف، ہم تو امام کعبہ کے پیچھے بھی نماز نہیں پڑھتے (کیونکہ وہ اہلِ حدیث ہیں)۔ جن فقہوں کی رُو سے باہمی اختلافات کا یہ عالم ہو، آپ سوچئے کہ ان کے ساتھ وابستگی رکھتے ہوئے مملکت کے لئے ایک متفق علیہ ضابطہ قوانین کا مرتب ہو جانا کسی طور بھی ممکن ہو سکتا ہے؛ مملکت (STATE) کے مملکت ہونے کی ایک بنیادی شرط یہ بھی ہوتی ہے کہ اس میں ایک ضابطہ قوانین ہوتا ہے جس کا نفاذ سب پر یکساں ہوتا ہے۔ اگر کسی مملکت میں مختلف گروہوں کے لئے مختلف ضوابط قانون ہوں، تو وہ ایک مملکت کہلا ہی نہیں سکتی۔ ان علماء کا یہی باہمی اختلاف تھا جس کی طرف قائدِ اعظمؒ نے نہایت لطیف اور عمیق انداز میں اشارہ کیا تھا۔ دسمبر ۱۹۳۸ء کی بات ہے کہ علماء کا ایک تبلیغی وفد قائدِ اعظمؒ

سے ملنے کے لئے آیا۔ دورانِ گفتگو انہوں نے کہا کہ کیا اچھا ہو اگر آپ مسلم لیگ کے پنڈال میں نماز کے وقت جلسہ ملتوی کر کے وہیں نماز باجماعت ادا کر لیا کریں۔ اس سے غیر مسلموں پر بڑا رعب پڑے گا۔ قائداعظمؒ نے فرمایا کہ معاف فرمائیے! میں آپ کی اس تجویز پر عمل کرنے سے معذور ہوں۔ پوچھا کیوں، تو انہوں نے فرمایا کہ آپ

مَیں امام کس کو بناؤں

نماز باجماعت کا کہتے ہیں تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ میں امام کس کو بناؤں۔ اگر میں خود امام بنوں تو ممکن ہے سب لوگ میرے پیچھے نماز پڑھ لیں، لیکن میں اپنے آپ کو اس کا اہل نہیں سمجھتا۔ اس لئے کسی دوسرے کو امام بنانا پڑے گا۔ اگر امام دیوبندی ہوگا تو بریلوی اس کے پیچھے نماز نہیں پڑھیں گے۔ اگر بریلوی ہوگا تو دیوبندی نہیں پڑھیں گے۔ اور الگ الگ جماعتوں سے غیر مسلموں کے دلوں پر رعب پڑنے کے بجائے ان کی نظروں میں مسلمانوں کا اختلاف نمایاں ہو جائے گا۔ میں اس وجہ سے آپ کی تجویز پر عمل پیرا ہونے سے معذور ہوں۔ (بحوالہ "اسلام اور قائداعظمؒ" از محمد حنیف شاہد۔ صفحہ ۳۲۵) آپ نے غور فرمایا کہ قائداعظمؒ نے اشاروں ہی اشاروں میں کس طرح اس حقیقت کو واضح کر دیا کہ فقہ پر مبنی اسلام، کس طرح ایک اسلامی مملکت کا ضابطہ دستور و قوانین قرار نہیں پا سکتا۔

(۲) یہ ان قوانین کا پہلا نقص ہے۔ دوسرا نقص یہ ہے کہ جن فقہا نے انہیں مرتب کیا تھا، وہ ہزار متقی اور پرہیزگار سہی لیکن یہ بہرحال دورِ ملوکیت میں وضع ہوئے تھے، اس لئے ملوکیت کی پیدا کردہ فضا

ملوکیت کا اثر

سے ان فقہا کا (شعوری نہ سہی، غیر شعوری پر) متاثر ہو جانا فطری امر تھا۔ اسی فضا کا اثر تھا کہ یہ حضرات عقیدہ کی رُو سے، بزورِ شمشیر حاصل کردہ موروثی بادشاہت کو قاطع اسلام قرار دیتے تھے لیکن ان میں سے کسی نے ان سلاطین سے ایسا نہیں کہا۔ نہ صرف یہ کہ انہوں نے ان بادشاہتوں کو خلاف اسلام قرار نہیں دیا...... یہ محراب و منبر سے ان کے حق میں ایدہ اللہ بنصرہ، اور خلد اللہ ملکہ، (خدا اس مملکت کو اپنی تائید و نصرت سے مستحکم رکھے) کی دعائیں مانگتے رہے حتیٰ کہ فقہ حنفی میں یہ فتویٰ موجود ہے کہ سربراہِ مملکت قتل کے سوا جو جرم بھی کرے تو اس کی کوئی سزا نہیں۔ (ہدایہ آولین مجیدی صفحہ ۴۹۳)۔ ابوبکر جصاص اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ محدثین کے ایک گروہ کا عقیدہ تھا کہ بادشاہ وقت سے ظلم و جبر اور بے گناہ لوگوں کے قتل وغیرہ جرائم کا ارتکاب ہو تو اس کے خلاف آواز بلند کرنا بھی شرعاً جائز نہیں۔ (احکام القرآن۔ جلد ۲۔ صفحہ ۲۳)۔ حتیٰ کہ یافعیؒ نے اپنی تاریخ میں یزید بن عبدالملک کے زمانے کا ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ چالیس شیوخ نے آکر اس امر کی گواہی دی کہ سلاطین قیامت کے دن بغیر حساب کے بخشے جائیں گے۔ (تاریخ الیافعی صفحہ ۲۳۴)۔ اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں۔ شخصی حکومتوں میں قوانین بنا ہی اسی قسم کرتے ہیں۔ اس سے آپ اندازہ لگا لیجئے کہ فقہی قوانین کی رُو سے جو اسلام سامنے آئے گا اس کی شکل کس قسم کی ہوگی۔

یہ وقتی قوانین تھے

(۳) تیسری بات یہ کہ فقہی قوانین بہرحال انسانوں کے مرتب کردہ تھے۔ وہ اُس زمانے کے تقاضوں کو جس میں وہ مرتب ہوئے تھے پورا کرتے ہوں

تو ہوں، لیکن وہ ہمیشہ کے لئے غیر متبدل تو نہیں رہ سکتے تھے۔ ابدی اور غیر متبدل تو صرف قوانینِ خداوندی ہو سکتے ہیں۔ انسانی قوانین کو کسی ایسی صفت سے متصف کر دیا جو قوانینِ خداوندی کے لئے مختص ہو، شرک ہے۔ لہٰذا یہ قوانین وقتی تھے اور قابلِ تغیر و تبدل۔ خود وہ ائمہ فقہ جنہوں نے انہیں مرتب کیا تھا انہیں ایسا ہی سمجھتے تھے۔ ان ائمہ فقہ میں امام اعظم ابو حنیفہؒ (علیہ الرحمۃ) کا اسم گرامی سرفہرست آتا ہے۔ ان کے متعلق، خطیب بغدادی نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے:۔

> امام زفر فرماتے ہیں کہ ہم امام ابو حنیفہؒ کے پاس آیا کرتے تھے۔ جو کچھ امام صاحب فرماتے ہم اُسے لکھ لیا کرتے تھے۔ ایک دن امام صاحب نے (امام) ابو یوسف سے فرمایا کہ یعقوب! تیرا ناس ہو۔ جو کچھ تو مجھ سے سنتا ہے سب کا سب نہ لکھ لیا کر۔ آج میری رائے کچھ ہوتی ہے اور کل میں اسے چھوڑ دیتا ہوں۔ ابو نعیم کہتے ہیں کہ میں نے ابو حنیفہؒ کو ابو یوسف سے یہ فرماتے ہوئے سنا کہ مجھ سے کوئی مسئلہ نقل نہ کرو، کیونکہ بخدا مجھے خبر نہیں کہ میں اپنے اجتہاد میں خطا کار ہوں یا مصیب۔ (تاریخ خطیب بغدادی۔ جلد ۱۴۔ صـ۲۵۲)

یہ تھی ان قوانین کی حیثیت خود ائمہ فقہ کے نزدیک۔ لیکن ان کے بعد، ان کے معتقدین نے یہ عقیدہ وضع کر لیا کہ یہ قوانین ابدی اور غیر متبدل ہیں۔ اور انہی کو اسلامی شریعت سمجھا جائے گا۔ گذشتہ ہزار سال سے مسلمانوں کی جو سلطنتیں چلی آرہی تھیں، وہ سیکولر سٹیٹس تھیں جن میں امورِ مملکت کے متعلق حکومت کے قوانین نافذ ہوتے تھے۔ اور شخصی امور کے سلسلہ میں فقہی قوانین۔ (آج بھی ان سلطنتوں کی عام طور پر یہی حالت ہے)۔ ہندوستان میں انگریز کی عملداری میں بھی یہی کیفیت تھی اور تحریکِ پاکستان کے دوران بھی یہی نقشہ۔ اس تحریک کے مخالف علماء کا کہنا یہ تھا کہ ہندوستان کی جمہوری حکومت میں اسلام (یعنی ان کے تصور کے اسلام) کی آزادی ہو گی اس لئے اسلام کے احیاء کے لئے کسی

علماء کا اسلام!

جداگانہ مملکت کا مطالبہ اور قیام، اسلام کا تقاضا نہیں۔ ان علماء میں سرخیل، دارالعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث اور جمعیت العلماء ہند کے صدر، (مولانا) حسین احمد مدنی (مرحوم) تھے۔ ان کا ارشاد تھا کہ

> ایسی جمہوری حکومت جس میں ہندو، مسلمان، سکھ، عیسائی سب شامل ہوں، حاصل کرنے کے لئے سب کو متحدہ کوشش کرنی چاہیئے۔ ایسی مشترکہ آزادی، اسلام کے اصول کے عین مطابق ہے اور اسلام اس آزادی کی اجازت دیتا ہے۔
>
> (زمزم۔ مورخہ ۷ر جولائی ۱۹۳۸ء)

وہ فرماتے تھے:۔

> کانگریس میں ہمیشہ ایسی تجاویز آتی رہتی ہیں اور پاس ہوتی رہتی ہیں جن کی وجہ سے مذہب اسلام کے تحفظ اور وقار کو ٹھیس نہ پہنچے۔
>
> (مولانا مدنی کا پمفلٹ۔ متحدہ قومیت اور اسلام۔ صـ۱۶)

یہ تھا ان حضرات کا مؤقف۔ ان کے خلاف علامہ اقبالؒ کا کہنا یہ تھا کہ یہ اسلام حقیقی اسلام نہیں بلکہ ہمارے دورِ ملوکیت کا وضع کردہ اسلام ہے۔ اسلام کے احیاء کے لئے ضروری ہے کہ اس اسلام کے نقوش کو مٹا کر، لوحِ سفید پر حقیقی اسلام کے نقوش ثبت کئے جائیں۔

علامہ اقبالؒ کا اسلام کا تصوّر

اور یہ اسی صورت میں ممکن ہے کہ مسلمانوں کی ایسی آزاد مملکت ہو جس میں عہدِ ملوکیت کا اسلام پہلے سے کار فرما نہ ہو۔ چنانچہ جب انہوں نے پہلے پہل (۱۹۳۰ء میں) پاکستان کا تصوّر پیش کیا تو اس کا مقصد یہ بتایا کہ

اس سے اسلام کو اس امر کا موقعہ ملے گا کہ وہ ان اثرات سے آزاد ہو کر جو عربی ملوکیت کی وجہ سے اس پر اب تک قائم ہیں، اس جمود کو توڑ ڈالے جو اس کی تہذیب و تمدن، شریعت اور تعلیم پر صدیوں سے طاری ہے۔ اس سے نہ صرف ان کی صحیح معنوں میں تجدید ہو سکے گی بلکہ وہ زمانہ حال کی روح سے بھی قریب تر ہو جائیں گے۔ (خطبہ الٰہ آباد)

اسی حقیقت کو انہوں نے اپنے خطبات تشکیلِ جدید میں سعید حلیم پاشا (مرحوم) کی ہم نوائی میں، ان الفاظ میں بیان کیا تھا:۔

اندریں حالات ہمارے لئے کشاد کار کی ایک ہی راہ ہے اور وہ یہ کہ آئینۂ اسلام پر غیر اسلامی زنگ کی جو سخت اور درشت تہیں جم گئی ہیں، اور جس کی وجہ سے اس کا حرکیاتی اور ارتقائی نظریہ یکسر جامد ہو کر رہ گیا ہے، انہیں کھرچ کھرچ کر الگ کر دیا جائے۔ اور حریت، مساوات اور سالمیت کی حقیقی اقدار کو از سرِ نو زندہ کر کے ان کی بنیادوں پر اپنے اخلاقی، عمرانی، اور سیاسی نظام کی تشکیلِ جدید کی جائے جو حقیقی اسلام کی سادگی اور آفاقیت کا آئینہ دار ہو۔ (چھٹا خطبہ)

تحریکِ پاکستان کے مخالفین میں دوسرا گروہ وہ تھا جو کہتا تھا کہ اگر ایک الگ مملکت قائم ہی کرنی ہے تو اس کا اقتدار ہمارے ہاتھ میں ہونا چاہیئے تاکہ ہم وہاں اپنے تصوّر کا اسلام قائم کر سکیں۔

تھیاکریسی

قائدِ اعظمؒ نے اس مطالبہ کو یہ کہہ کر مسترد کر دیا کہ یہ تھیاکریسی ہے جو اسلام کے صریحاً خلاف ہے۔ چنانچہ انہوں نے بار بار اپنے اس مؤقف کو دہرایا کہ پاکستان میں تھیاکریسی کسی حال میں نہیں ہوگی۔ انہوں نے مسلم لیگ کنونشن منعقدہ دہلی (۱۰ اپریل ۱۹۴۶ء) میں واضح الفاظ میں کہا تھا کہ

اسے اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ ہم کس مقصد کے لئے یہ لڑائی لڑ رہے ہیں۔ ہمارا نصب العین کیا ہے۔ یاد رکھیئے! ہمارا نصب العین تھیاکریسی نہیں۔ ہم تھیاکریٹک سٹیٹ نہیں بنانا چاہتے۔

(طلوعِ اسلام ستمبر ۱۹۴۲ء)

انہوں نے، قیامِ پاکستان کے بعد، فروری ۱۹۴۸ء میں بہ حیثیت گورنر جنرل، اہلِ امریکہ کے نام اپنے براڈ کاسٹ میں کہا تھا کہ

پاکستان میں کسی قسم کی تھیاکریسی کارفرما نہیں ہوگی جس میں حکومت مذہبی پیشواؤں کے ہاتھ میں دے دی جاتی ہے کہ وہ (بزعمِ خویش) خدائی مشن کو پورا کریں۔

اس کے برعکس انہوں نے، نہایت واضح اور متعین الفاظ میں بتا دیا کہ جس قسم کی حکومت کے لئے ہم پاکستان کا مطالبہ کر رہے ہیں، اس کی امتیازی خصوصیت کیا ہوگی۔ یہ وضاحت انہوں نے سنہ۱۹۴۱ء میں، عثمانیہ یونیورسٹی (حیدر آباد دکن) کے طلباء کے ایک سوال کے جواب میں کی تھی۔ انہوں نے فرمایا تھا:۔

قرآنی مملکت

> اسلامی حکومت کے تصوّر کا یہ امتیاز ہمیشہ پیش نظر رہنا چاہیئے کہ اس میں اطاعت اور وفاکیشی کا مرجع خدا کی ذات ہے جس کی تعمیل کا واحد ذریعہ قرآن مجید کے احکام اور اصول ہیں۔ اسلام میں اصلاً نہ کسی بادشاہ کی اطاعت ہے نہ کسی پارلیمان کی، نہ کسی اور شخص یا ادارہ کی۔ قرآنِ کریم کے احکام ہی سیاست یا معاشرت میں ہماری آزادی اور پابندی کے حدود متعین کرتے ہیں۔ اسلامی حکومت دوسرے الفاظ میں قرآنی اصول اور احکام کی حکمرانی ہے۔ اور حکمرانی کے لئے آپ کو علاقہ اور مملکت کی ضرورت ہے۔
>
> (اورینٹ پریس بحوالہ روزنامہ انقلاب، لاہور مورخہ ۸ر فروری سنہ۱۹۴۲ء)

اس کے بعد وہ ساری تحریک کے دوران اس حقیقت کا بار بار اعلان کرتے رہے کہ اس مملکت کا آئین اور قوانین قرآن مجید پر مبنی ہوں گے، اور اس طرح اس میں مذہبی پیشوائیت کا کوئی عمل دخل نہیں ہوگا۔ انہوں نے تحریک کے آغاز ہی میں (سنہ۱۹۳۸ء میں) مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کی یونین سے خطاب کرتے ہوئے، نوجوانوں سے کہا تھا کہ

> مسلم لیگ نے (کم از کم) ایک کام تو کر دیا ہے۔ اور وہ یہ کہ اس نے تمہیں مسلمانوں کے رجعت پسند عناصر کے چنگل سے چھڑا دیا ہے...... اس میں شک و شبہ نہیں کہ اس نے تمہیں اس ناخوش آئند طبقہ کی جکڑ سے آزاد کرا دیا ہے جسے مولوی یا مولانا کہتے ہیں۔

اس کے ساتھ ہی انہوں نے کہا تھا

> اب جبکہ ہم نے اپنے آپ کو برٹش گورنمنٹ۔ کانگریس۔ رجعت پسند طبقہ اور مولویوں کے شکنجہ سے آزاد کرا لیا ہے، تو میں قوم کے نوجوانوں سے اپیل کروں گا کہ وہ ہماری عورتوں کو بھی آزادی دلائیں۔ یہ نہایت ضروری ہے

عورتوں کی آزادی

> اس آزادی سے میرا مطلب یہ نہیں کہ ہم مغربی معاشرہ کی خرابیوں کی نقالی کریں۔ میرا مطلب یہ ہے کہ ہماری خواتین، نہ صرف ہماری معاشرتی زندگی میں ہمارا ساتھ دیں بلکہ ہماری سیاسی زندگی میں بھی (ہمارے ہم دوش چلیں)۔ (تقاریر۔ جلد اوّل۔ صفحہ ۴۵)

علامہ اقبالؒ کا تو سارا کلام، ان حضرات کی مخالفت سے بھرا ہوا ہے۔ انہوں نے (مولانا) اکبر شاہ خان (نجیب آبادی مرحوم) کے نام اپنے ایک مکتوب میں لکھا تھا:۔

اقبالؒ

> آپ نے ٹھیک فرمایا ہے کہ پیشہ ور مولویوں کا اثر سرسید احمد خان کی تحریک سے بہت کم ہو گیا تھا مگر خلافت کمیٹی نے اپنے پولیٹیکل فتوؤں کی خاطر ان کا اقتدار ہندی مسلمانوں

میں پھر قائم کر دیا۔ یہ ایک بہت بڑی غلطی تھی جس کا احساس ابھی تک غالباً کسی کو نہیں ہوا۔ مجھ کو حال ہی میں اس کا تجربہ ہوا ہے۔ کچھ مدت ہوئی میں نے اجتہاد پر ایک انگریزی مضمون لکھا تھا جو یہاں ایک جلسہ میں پڑھا گیا تھا۔ انشاء اللہ شائع ہوگا۔ مگر بعض لوگوں نے مجھے کافر کہا۔ بہرحال اس تمام معاملے کے متعلق مفصل گفتگو ہوگی جب آپ لاہور تشریف لائیں گے۔ ہندوستان میں بالخصوص آجکل بہت سمجھ سوچ کر قدم اٹھانا ہوگا۔

(انوارِ اقبالؒ۔ شائع کردہ، اقبالؒ اکیڈمی۔ صـ۱۲۳)

پھر انہوں نے سنہ ۱۹۳۲ء میں، اپنے ایک بیان میں جو روزنامہ انقلاب (لاہور) کی ۲۳ مارچ کی اشاعت میں شائع ہوا تھا، قوم کو مخاطب کر کے کہا تھا:۔

تمہارے دین کی یہ عظیم الشان بلند نظری، ملّاؤں اور فقیہوں کے فرسودہ اوہام میں جکڑی ہوئی ہے اور آزادی چاہتی ہے۔ روحانی اعتبار سے ہم حالات و جذبات کے ایک قید خانے میں محبوس ہیں جو صدیوں کی مدت میں ہم نے اپنے گرد خود تعمیر کر لیا ہے اور ہم بوڑھوں کے لئے شرم کا مقام ہے کہ ہم نوجوانوں کو ان اقتصادی، سیاسی، بلکہ مذہبی بحرانوں کا مقابلہ کرنے کے قابل نہ بنا سکے جو زمانہ حاضر میں آنے والے ہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ساری قوم کی موجودہ ذہنیت کو یکسر تبدیل کر دیا جائے تاکہ وہ پھر نئی آرزوؤں، نئی تمناؤں اور نئے نصب العین کی امنگ کو محسوس کرنے لگ جائے۔

یہ تھی عزیزانِ من! وہ بناءِ نزاع جو تحریکِ پاکستان کے دوران، اقبالؒ۔ قائدِ اعظمؒ اور مولوی صاحبان کے مابین برپا تھی۔ ان حضرات نے (جیسا کہ ان کا معمول ہے) ان کے خلاف کفر کے فتوے صادر فرمائے۔

کفر کے فتوے

(ضمناً) چونکہ میں ان خیالات کا نقیب تھا اس لئے انہوں نے سب سے بڑا فتویٰ میرے خلاف جاری فرمایا۔ یہ بڑے فخر سے اعلان کیا کرتے ہیں کہ پرویز کے خلاف ایک ہزار علماء نے کفر کا فتویٰ لگایا تھا۔ میں اس قسم کی مذہبی گالیوں کا کوئی جواب نہیں دیا کرتا۔ لیکن ان حضرات سے اتنا ضرور پوچھنا چاہتا ہوں کہ آپ میں سے کوئی بھی ایسا ہے جس پر کفر کا فتویٰ نہ لگ چکا ہو؟

اس کی تائید میں ان تمام فتوؤں کو پیش کیا جا سکتا ہے جو ان کے ایک فرقے نے دوسرے فرقے کے خلاف عائد کئے ہیں، لیکن میں اس کی اس مقام پر ضرورت نہیں سمجھتا۔ کہنا مجھے صرف اس قدر ہے کہ ان حضرات نے، اس اختلاف کی بناء پر، تمام مؤیدین مسلم لیگ کے خلاف کفر و ارتداد کے فتوے لگائے اور کہا کہ

لیگ کی حمایت کرنا۔ اس میں چندے دینا۔ اس کا ممبر بننا۔ اس کی اشاعت و تبلیغ کرنا، منافقین و مرتدین کی جماعت کو فروغ دینا ہے۔　(رسالہ الجوابات السنیہ از مولانا ابوالاولاد رسول)

لیکن اس تمام مخالفت کے باوجود، پاکستان وجود میں آ گیا اور اس طرح انہیں شکستِ فاش کا منہ دیکھنا پڑا۔

لیکن انہوں نے اپنی اس شکست کا بدلہ لینے اور جس مقصد کے لئے پاکستان حاصل کیا گیا تھا اسے ناکام بنانے کے لئے، ایک اور تدبیر اختیار کی۔ پاکستان بننے کے بعد، یہ ہجوم کر کے اِدھر آ گئے، اور آ کر یہ مطالبہ پیش کر دیا کہ چونکہ پاکستان کو اسلام کے نام پر حاصل کیا گیا تھا، اور اسلام کے علمبردار ہم ہی ہیں، اس لئے یہاں ہمارے قوانین نافذ کرو۔ علامہ اقبالؒ اس سے پہلے رحلت فرما گئے تھے۔ اور قائدِ اعظمؒ چند دنوں کے بعد دنیا سے تشریف لے گئے، اس لئے اب یہ کہنے والا کوئی نہیں تھا کہ یہ آپ کے تصوّر کا اسلام ہی تو تھا جس سے پیچھا چھڑانے کے لئے پاکستان حاصل کیا گیا تھا۔ اب اس کی باگ ڈور آپ ہی کے ہاتھ میں کس طرح دیدی جائے؟ ـــــ یہ کہنے والا، صرف یہ گنہگار تھا جس کے خلاف تیس سال سے مسلسل پراپیگنڈہ جاری ہے ـــــ یہ منکرِ حدیث ہے۔ منکرِ سنت ہے۔ ایک الگ فرقہ بنانا چاہتا ہے جس میں تین نمازیں اور نو دن کے روزے ہوں گے اور نماز بھی اُردو میں پڑھی جائے گی۔ ان میں سے ہر الزام جھوٹی تہمت ہے جس کا اعلان بار بار کیا جا چکا ہے، لیکن جس مقصد کے لئے یہ الزامات تراشے جاتے ہیں اس کا تقاضا ہے کہ وہ اسے مسلسل دہراتے جائیں۔

اقبالؒ اور قائدِ اعظمؒ کے تصوّر کے اسلام کو رائج کرنے والا تو یہاں کوئی نہ تھا لیکن یہاں قائم ہونے والی حکومتیں اچھی طرح جانتی تھیں کہ جس اسلام کے نافذ کرنے کا مطالبہ یہ حضرات کر رہے ہیں وہ ناقابلِ عمل بھی ہے اور (قرآن تو ایک طرف) علم و بصیرت کے خلاف بھی۔ اس لئے انہوں نے ان کے پراپیگنڈہ کی یورشوں کو تو برداشت کر لیا لیکن ان کا مطالبہ ماننے کی غلطی نہ کی۔ صدر ایوب (مرحوم) نے ایک دفعہ ان سے کہا تھا کہ آپ تمام علماء یکجا ہو کر، ایک متفق علیہ اسلامی آئین مرتب کر دیجئے۔ میں اس پر آنکھیں بند کر کے دستخط کر دوں گا۔ چونکہ یہ جانتے تھے کہ ایسا کیا جانا ناممکن ہے ـــــ جو علماء اکٹھے مل کر نماز نہیں پڑھ سکتے وہ متفق علیہ دستور کس طرح مرتب کر دیں گے! اس لئے صدر مرحوم کی پیشکش کا جواب گالیوں کے سوا اور کیا ہو سکتا تھا۔

ان حضرات نے، اس اعتراض سے بچنے کے لئے کہ یہ کسی بات پر متفق نہیں ہو سکتے، ۱۹۵۱ء میں ایک اجتماع منعقد کیا جس میں تمام فرقوں کے ۳۱ علماء شریک ہوئے۔ انہوں نے ایک ریزولیوشن پاس کیا

کتاب و سنّت کے مطابق

کہ پاکستان کا ضابطۂ قوانین کتاب و سنّت کے مطابق مدوّن کیا جائے۔ یہ ریزولیوشن پاس کیا اور ڈھول پیٹنا شروع کر دیا کہ دیکھ لیجئے ہم کس قدر متفق ہیں۔ میں نے اسی زمانہ میں کہا کہ یہ سب مغالطہ آفرینی ہے۔ کتاب و سنت کی بنیادوں پر کوئی ایسا ضابطۂ قوانین مرتب نہیں ہو سکے گا جسے یہ تمام حضرات متفقہ طور پر اسلامی تسلیم کر لیں۔ اس لئے کہ سنّت مختلف فرقوں کی الگ الگ ہے۔ اور بات بالآخر فقہ پر آ کر ٹھہرے گی۔ اس پر میرے خلاف کفر کے فتوؤں میں مزید شدّت آ گئی۔ بیس سال تک یہ پراپیگنڈہ جاری رہا، اور بالآخر ۱۹۷۱ء میں مرحوم مودودی صاحب کو جن کا نام اس ریزولیوشن پر دستخط کرنے والوں میں سرِ فہرست تھا، یہ اعتراف کرنا پڑا کہ کتاب و سنّت کی بنا پر واقعی کوئی ایسا ضابطۂ قوانین مرتب نہیں ہو سکتا

جسے تمام فرقے متفقہ طور پر اسلامی تسلیم کر لیں۔ ان سے پوچھا گیا کہ پھر ملک میں اسلامی قوانین رائج کرنے کی کیا صورت ہوگی۔ انہوں نے کہا یہاں حنفی فقہ رائج کر دی جائے، حالانکہ اس سے پہلے حنفی فقہ کو وہ خود "متعدد شاستر" قرار دے چکے تھے۔ (ترجمان القرآن۔ بابت محرم ۱۳۶۰ھ)

میں نے ابھی ابھی کہا ہے کہ ان عملی دشواریوں کے پیش نظر سابقہ حکومتوں نے ملک میں اسلامی قوانین نافذ کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ موجودہ حکومت نے نظامِ مملکت کے اسلامیانے (ISLAMISATION)[1] کا عزم کیا اور سب سے پہلے، مروّجہ قوانین کو کتاب و سنّت کے مطابق مرتب کرنے کا فریضہ اسلامی نظریاتی کونسل کے سپرد کیا۔ اس کونسل (بلکہ ملک) میں اکثریت حنفی مسلمانوں کی ہے، اس لئے کونسل نے یہ قوانین حنفی فقہ کے مطابق ہی مرتب کرنے تھے۔ ان قوانین کی پہلی قسط، چار جرائم کی سزاؤں کی شکل میں، ۱۹۷۹ء میں ملک میں نافذ ہوئی۔ یہ چار جرائم، زنا۔ چوری۔ جھوٹی تہمت (جسے قذف کہتے ہیں) اور شراب پر مشتمل تھی۔ (فقہ کی اصطلاح میں، ان سزاؤں کو جو قرآنِ کریم نے خود متعین کی ہیں، حدّ کہا جاتا ہے۔ اس بنا پر ان قوانین کو حدود کہہ کر پکارا گیا ہے۔ (ضمناً شراب نوشی کو حدود میں شامل کرنا غلط تھا کیونکہ اس کی سزا قرآن نے متعین نہیں کی)۔ میں، اس مقام پر صرف زنا سے متعلق حدِ قوانین کا جائزہ لینا چاہتا ہوں۔ اسی سے اندازہ ہو جائے گا کہ فقہی قوانین کس قسم کے ہوتے ہیں۔

قوانین حدود

آگے بڑھنے سے پیشتر، میں اتنا واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ میں سیاسیات میں حصّہ نہیں لیتا۔ نہ ہی میرا تعلق کسی مذہبی فرقہ سے ہے۔ میں خود قانون پسند ہوں (میں نے کبھی قانون شکنی نہیں کی) اور دوسروں کو بھی قانون کے احترام کی تلقین کرتا ہوں۔ میں امورِ مملکت میں دخیل نہیں ہوتا۔ لیکن جب بات قرآن کی آجائے تو میں اپنا فریضہ سمجھتا ہوں کہ جہاں، جو بات قرآن کے خلاف ہو رہی ہو، اس پر انگشت نمائی کروں اور قوم کو بتاؤں کہ قرآنِ کریم کا اس باب میں کیا ارشاد ہے۔ اگر میں ایسا نہ کروں، تو بارگاہِ خداوندی میں میرا مواخذہ ہوگا۔ یہ اسی فریضہ کا احساس اور مواخذۂ خداوندی کا خوف ہے جس کی بنا پر میں نے ان قوانین کا جائزہ لینا ضروری سمجھا ہے۔ اگر میری یہ خفیف سی آواز متعلقہ حلقوں میں سنی جائے تو ہو المراد ورنہ میں اپنے فریضہ سے سبکدوش ہو جاؤں گا اور آنے والا مؤرخ کم از کم اتنا تو دیکھ لے گا کہ کسی نے اس دور میں قرآن کی آواز بھی بلند کی تھی۔

(۰)

سب سے پہلی بات تو یہ کہ ان قوانین کو اسلامی کہنا صحیح نہیں۔ اس لئے کہ اسلامی قوانین بہرحال اسلامی مملکت میں نافذ کئے جا سکتے ہیں، اور یہ ظاہر ہے کہ ہماری مملکت ابھی اسلامی نہیں کہلا سکتی۔ جیسا کہ میں نے

---

[1] آجکل یہ اصطلاح عام طور پر استعمال کی جاتی ہے۔ میرے ذہن میں اس کا ترجمہ "اسلامیانہ" ہی آتا ہے جس طرح (NATIONALISATION) کا ترجمہ "قومیانہ" کیا جاتا ہے۔

شروع میں کہا ہے، اللہ تعالیٰ نے اسلام اور کفر میں خطِ امتیاز یہ کہہ کر کھینچا کہ

وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ (۵/۴۴)

جو کتاب اللہ کے مطابق حکومت قائم نہیں کرتے انہی کو کافر کہا جاتا ہے۔

جرمِ زنا کے متعلق قانون کا تجزیہ

(۲) جرمِ زنا کی سزا کے متعلق قرآنِ کریم میں ہے:۔

اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ ... (۲۴/۲)

زانیہ عورت اور زانی مرد میں سے ہر ایک کو سو سو کوڑے لگاؤ۔

قرآنی قوانین کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ

تَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ..... (۶/۱۱۶)

احکام و قوانینِ خداوندی صدق اور عدل کے ساتھ مکمل ہو گئے ہیں۔ ان میں تبدیلی کرنے کا کسی کو حق حاصل نہیں۔

حتّیٰ کہ رسول اللہ کو بھی اس کا اختیار حاصل نہیں تھا۔ جب فریقِ مقابل نے حضورؐ سے کہا کہ وہ بغرضِ مفاہمت قرآنی احکام میں کچھ تبدیلی کر دیں، تو ارشادِ خداوندی ہوا:۔

قُلْ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اُبَدِّلَهٗ مِنْ تِلْقَآئِ نَفْسِيْ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ ۚ اِنِّيْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ۝ (۱۰/۱۵)

اے رسول! ان سے کہہ دو کہ مجھے اس کا کوئی اختیار نہیں کہ میں اس میں اپنی طرف سے کسی قسم کی تبدیلی کر دوں۔ میں تو اسی کی پیروی کرتا ہوں جو میری طرف وحی کیا جاتا ہے، اگر میں حکمِ خداوندی کی خلاف ورزی کر دوں، تو اس کی سزا سے میں بھی محفوظ نہیں رہ سکتا۔ میں اس سے ڈرتا ہوں۔

فقہ کا جو قانون رائج کیا گیا ہے اس میں کہا گیا ہے کہ

(۱) زانیہ عورت اور زانی مرد اگر شادی شدہ نہ ہوں، تو ان کی سزا سو سو کوڑے ہے، لیکن

(۲) اگر شادی شدہ ہوں، تو ان کی سزا رجم ہے۔ یعنی سنگسار کرنا۔

قرآنِ کریم نے نہ تو شادی شدہ اور غیر شادی شدہ مجرمین میں کوئی فرق کیا ہے، اور نہ ہی اس میں رجم کا کوئی ذکر ہے۔ یہ قرآن کے واضح اور متعین حکم میں اضافہ بھی ہے اور تبدیلی بھی۔ قرآن اسے شرک قرار دیتا ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے:۔

وَّلَا يُشْرِكُ فِيْ حُكْمِهٖٓ اَحَدًا ۝ (۱۸/۲۶)

خدا اپنے احکام میں کسی کی شراکت روا نہیں رکھتا۔

ایک روایت میں ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی کہ یہود و نصاریٰ نے اپنے علماء اور مشائخ کو خدا سے ورے ہی خدا بنا رکھا ہے، تو ایک صحابیؓ نے، جو عیسائیت ترک کر کے اسلام لائے تھے، کہا کہ یہ لوگ انہیں خدا

تو نہیں تسلیم کرتے۔ آپؐ نے فرمایا کہ کیا یہ حقیقت نہیں کہ جس چیز کو وہ حلال کہتے ہیں، یہ اسے حلال تسلیم کر لیتے ہیں، جسے وہ حرام قرار دیتے ہیں، یہ اسے حرام سمجھ لیتے ہیں؟ صحابیؓ نے کہا کہ یہ تو ٹھیک ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ یہی تو انہیں خدا بنا لینا ہے۔ جو مقام، یہود و نصاریٰ اپنے مشائخ اور علماء کو دیتے تھے، وہی مقام ہم نے اپنے فقہاء کو دے رکھا ہے۔ (حالانکہ انہوں نے کبھی ایسا نہیں کہا تھا)۔ رجم کی سزا کا اضافہ، اس کی بیّن مثال ہے۔

شاہ ولی اللہؒ (جن کا شمار بلند پایہ محدثین اور فقہ حنفی کے اکابرین میں ہوتا ہے) لکھتے ہیں کہ ——

"اگر کسی حکم میں اضافہ کر دیا جائے تو وہ پہلے حکم کی تنسیخ ہے۔" (انصاف فی بیان سبب الاختلاف۔ اردو ترجمہ شائع کردہ علماء اکیڈمی۔ محکمہ اوقاف لاہور۔ صفحہ ۸۲) زنا کی سزا میں رجم اضافہ ہے جس سے حکمِ خداوندی منسوخ ہو جاتا ہے۔ اس کی جگہ اس فقہی قانون نے لے لی ہے جسے ملک میں نافذ کیا گیا ہے۔ وفاقی شرعی عدالت نے رجم کے حکم کو غیر اسلامی قرار دے دیا، لیکن حکومت نے اس کے اس فیصلے کے خلاف اپیل دائر کر رکھی ہے۔

ناممکن العمل

(۳) قانونِ حدود کی رو سے جرمِ زنا کے اثبات کے لئے (یعنی ملزم کو مجرم قرار دینے کے لئے) ضروری ہے کہ چار ایسے گواہ جو متقی، پرہیزگار، نیک کردار اور کبیرہ گناہوں سے مجتنب رہنے والے مرد ہوں، شہادت دیں کہ انہوں نے عملِ دخول (ACT OF - PENETRATION) کو اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ اگر مجرم کو سزا ملنے سے پہلے، ان چار گواہوں میں سے ایک بھی اپنے بیان سے منحرف ہو جائے تو ملزم بری ہو جائے گا۔ فقہ حنفی کی نہایت معتبر کتاب فتاویٰ عالمگیری میں ہے کہ اگر تین گواہوں نے عینی گواہی دے دی اور چوتھے گواہ نے بھی ان کی تائید کر دی لیکن کہا یہ کہ اس نے ملزم مرد اور عورت کو ایک لحاف میں دیکھا تھا، تو اس سے اس ملزم پر حد جاری نہیں ہو سکے گی لیکن پہلے تین گواہوں کو اسّی اسّی کوڑے مارے جائیں گے کیونکہ انہوں نے بے گناہ (مرد اور عورت) پر ناحق تہمت لگائی تھی۔

آپ غور کیجئے کہ کیا یہ کسی طرح ممکن ہے کہ چار ایسے گواہ مل جائیں جنہوں نے عملِ دخول کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہو! پھر اسے بھی ذہن میں رکھئے کہ اگر ان چار گواہوں میں سے کسی ایک کی شہادت میں کچھ اختلاف ہو گیا، تو مجرم بری ہو جائے گا لیکن باقی گواہوں کو قذف (تہمت تراشی) کے جرم کی پاداش میں اسّی اسّی کوڑے لگائے جائیں گے۔ کیا ایسی صورت میں کوئی شخص بھی اپنے آپ کو بطور گواہ پیش کرے گا؟ وہ آگے بڑھے۔ تنہائی میں زنا بالجبر کی مظلومہ مفعولہ اس حادثہ کی رپورٹ لکھوانے کی بھی ہمت نہیں کرے گی، کیونکہ اس کے ثبوت میں وہ چار گواہ کہاں سے لائے گی، اور جب گواہ میسر نہیں آ سکیں گے، تو اس پر حدِ قذف جاری ہو جائے گی اور اسے اسّی کوڑے برداشت کرنے پڑیں گے؟ وہ اپنے کیس میں خود بطور گواہ بھی پیش نہیں ہو سکے گی کیونکہ (علاوہ دیگر نکات کے) گواہوں کا مرد ہونا ضروری ہے۔ اگر ملزم خود اقبالِ جرم کرے تو اس پر حد کا فیصلہ دے دیا جائے گا۔ لیکن اگر وہ سزا ملنے سے پہلے اپنے

اقبالِ بیان سے منحرف ہو جائے تو اس پر حد ساقط ہو جائے گی۔

یہ ہے جرمِ زنا کے متعلق وہ فقہی قانون جسے اسلامی قانونِ شریعت کی حیثیت سے ملک میں نافذ کیا گیا ہے! آپ سوچیے کہ ان شرائط کے مطابق، اس جرم کا ثابت کیا جانا ممکن ہے؟ اور جب جرم ہی ثابت نہیں ہوگا تو سزا ملنے کا سوال کیسے پیدا ہوگا؟ لہٰذا، یہ ایسا قانون ہے جو ناممکن العمل ہے۔ اور اس کا احساس خود محترم صدرِ مملکت کو بھی ہے۔ جب فروری ۱۹۷۹ء میں یہ آرڈیننس نافذ ہوا، تو اس کے تھوڑے ہی دنوں بعد صدرِ مملکت جنرل ضیاء الحق نے امریکہ کی (C.B.S) کی ٹی وی ٹیم کو ایک انٹرویو دیا تھا جو پاکستان ٹائمز کی اشاعت بابت ۱۸ فروری میں شائع ہوا تھا۔ انٹرویو لینے والوں نے اعتراض کیا تھا کہ یہ قوانین بڑے وحشیانہ ہیں۔ اس کے جواب میں صدرِ محترم نے فرمایا تھا:۔

صدرِ مملکت کا اعتراف

> یہ ٹھیک ہے لیکن میں اس کی وضاحت اس طرح کروں گا۔ اسلام سزا (PUNISHMENT) کے بجائے، تخویف (DETERRENCY) پر زور دیتا ہے۔ اگر آپ اس فلسفہ پر نگاہ رکھیں گے جو ان سنگین سزاؤں کے پیچھے کارفرما ہے تو آپ دیکھیں گے کہ اس قانونِ شہادت کی رُو سے جس کا نفاذ کیا جا رہا ہے، ایک فی ہزار مجرموں کو بھی سزائیں نہیں دی جا سکیں گی۔

آپ غور فرمائیے کہ وہ قانون جس پر عمل ہی نہ ہو سکے، وقعت کیا رکھتا ہے؟ صاحبِ صدر نے فرمایا ہے کہ قانون میں یہ سخت سزائیں اس لئے رکھی گئی ہیں کہ لوگ ان جرائم سے باز رہیں۔ لیکن سوچیے کہ جن جرائم کے متعلق یہ معلوم ہو کہ وہ ثابت ہی نہیں ہو سکیں گے، ان کی سزاؤں کا قانون جرائم کی روک تھام کس طرح کر سکتا ہے؟ اس سے تو ان جرائم کے ارتکاب کا ارادہ کرنے والوں کے حوصلے اور دراز ہو جائیں گے۔ علاوہ ازیں یہ بھی سوچیے کہ جب ان ناممکن العمل قوانین کو اسلامی کہہ کر نافذ کیا جائے گا، تو غیر مسلم اقوام، اسلام کے متعلق کیا رائے قائم کریں گی۔ قرآنِ کریم نے ایسی کوئی شرائط مقرر نہیں کیں جن کے پورا نہ ہونے سے خود قانون ہی معطل ہو کر رہ جائے۔ یہ شرائط فقہ کی عائد کردہ ہیں۔ بالفاظِ دیگر، خدا نے ایک حکم دیا اور فقہ نے ایسے حالات پیدا کر دیئے جن کی رُو سے وہ حکم بے کار ہو کر رہ گیا! اسلامی مملکت کا فریضہ یہ ہوتا ہے کہ وہ ایسے طریق وضع کرے جن کی رُو سے احکامِ خداوندی پر عمل درآمد ممکن ہی نہیں بلکہ آسان ہو جائے۔ اسلامی مملکت کے قیام کا تو مطلب ہی یہ ہے کہ وہ احکامِ خداوندی پر عمل کرائے۔ لیکن اگر حالات ایسے پیدا کر دیئے جائیں جن میں ان احکام پر عمل کرنا ناممکن ہو جائے، تو آپ سوچ لیجئے کہ اسے کیا کہا جائے گا؟ فقہ نے یہی کیا ہے!

زکوٰۃ کے متعلق قانون

فقہ کس طرح ایسے احکام کو معطل کر دیتی ہے، اس کی ایک اور مثال حال ہی میں ہمارے سامنے آئی ہے۔ حکومتِ پاکستان نے زکوٰۃ کے متعلق ایک قانون وضع کیا اور اسے پبلک لا کی حیثیت سے نافذ کیا۔ یعنی ایسا قانون جس کا اطلاق سب پر

یکساں ہو۔ اس کے خلاف فرقہ وارانہ احتجاج ہوا تو حکومت کو اس قانون کو شخصی قانون (PERSONAL LAW) کی شکل دینی پڑی اور احکام جاری کر دیئے کہ ہر فرقہ اپنی اپنی فقہ کے مطابق زکوٰۃ ادا کر سکتا ہے۔ اس کے لئے آئینِ پاکستان میں بھی ترمیم کی گئی۔ اس نظیر (PRECEDENCE) کی رُو سے یہ نظر آتا ہے کہ ملک میں شاید ہی کوئی پبلک لا نافذ ہو سکے۔ جب فقہ غالب رہے تو اس کا لازمی نتیجہ ہے کہ ہر فرقہ اپنی اپنی فقہ پر عمل کرنے کا مطالبہ کرے گا۔

زکوٰۃ کے متعلق جو کہا گیا کہ ہر فرقہ اپنی اپنی فقہ کے مطابق ادا کر سکتا ہے، تو اس سے ایک عجیب لیکن نہایت عبرت آموز حقیقت سامنے آئی۔ بعض لوگوں نے کہا کہ وہ فقہ قرآنی کے پابند ہیں اس لئے وہ اس کے مطابق عمل کریں گے۔ انہیں جواب ملا کہ قرآنی فقہ مسلّمہ فقہ نہیں۔ اس لئے آپ اس کے

قرآنی فقہ قابلِ تسلیم نہیں

مطابق عمل نہیں کر سکتے۔ یا تو آپ حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی، فقہوں میں سے کسی فقہ پر عمل کریں، اور یا پھر قانونِ مملکت کے مطابق زکوٰۃ ادا کریں۔ یعنی انسانوں کی وضع کردہ فقہیں تو مسلّم ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کی متعین فرمودہ فقہ قابلِ تسلیم نہیں! یا للعجب۔ یہود و نصاریٰ تو خدا کے ساتھ اپنے علماء و مشائخ کو خدا بناتے تھے۔ یہاں کہا جاتا ہے کہ تم صرف فقہا کو خدا بنا سکتے ہو۔ خدا کو نہیں۔ (میں اس سوال پر مرکزی نظامتِ زکوٰۃ سے خط و کتابت کر رہا ہوں)۔

—— (۰) ——

قوانینِ حدود کو نافذ ہوئے، تین سال ہونے کو آئے ہیں۔ پچھلے دنوں، صدرِ مملکت نے اس امر پر اپنی

صدرِ مملکت کا اظہارِ تاسف

مایوسی اور تاسف کا اظہار فرمایا کہ ان پر عمل درآمد کیوں نہیں ہو رہا! روزنامہ جنگ (لاہور) کی ۱۵ نومبر ۱۹۸۱ء کی اشاعت میں شائع شدہ رپورٹ کے مطابق:-

> صدر جنرل محمد ضیاء الحق نے اسلامی نظریاتی کونسل کے اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے اسلامی قوانین کے نفاذ میں سست روی پر فکرمندی کا اظہار کیا۔ صدر نے کہا کہ کونسل کو اس بات پر بھی غور کرنا چاہیئے کہ اس کی پچھلی سفارشات پر مبنی قوانین ایک حقیقی اسلامی روح کے مطابق کیوں نافذ نہ ہو سکے۔ کونسل کو ایک تفصیلی تجزیہ کے ذریعے ان خامیوں اور کوتاہیوں کی نشاندہی کرنی چاہیئے جو ان قوانین کے نفاذ یا تشکیل کے عمل کے دوران سرایت کر گئی ہوں۔

اس پر طلوعِ اسلام نے اپنی اشاعت بابت دسمبر ۱۹۸۱ء میں کہا تھا کہ ہم صدرِ محترم کی خدمت میں باادب گذارش کریں گے کہ ان قوانین کی ناکامی کی وجوہات خارج میں تلاش نہیں کرنی چاہئیں۔ یہ اسقام خود ان قوانین کے اندر مضمر ہیں۔ آپ نے خود ہی تو کہا تھا کہ ان کی رُو سے فی زمانہ ایک مجرم کو سزا ملنی بھی مستبعد ہے۔ پھر یہ کہ آپ ان اسقام کی اصلاح کے لئے اُسی اسلامی نظریاتی کونسل سے کہہ رہے ہیں جس نے ان قوانین کو وضع کیا تھا۔ ان کا عقیدہ ہے کہ یہ فقہی قوانین ابدی اور غیر متبدل ہیں اور ان میں کسی قسم کا

حک و اضافہ، ترمیم و تنسیخ اور ردّ و بدل نہیں کیا جا سکتا۔ جن کا یہ عقیدہ ہو وہ ان قوانین کے اسقام کو کس طرح دور کر سکتے ہیں؛ طلوعِ اسلام نے اربابِ متعلقہ کی خدمت میں گذارش کیا تھا کہ قانون سازی کی مہم کو سرِدست ایک طرف رکھ کر، پہلے یہ طے کریں کہ

اسلام میں قانون سازی کے اصول کیا ہیں!

لیکن ہمارے علماء حضرات کسی کو اس طرف آنے ہی نہیں دیں گے۔ ان کے نزدیک جب اسلامی قوانین (یعنی قوانینِ فقہ) مرتب و مدوّن موجود ہیں، تو پھر قانون سازی کے اصولوں کی تلاش بے معنی اور تحصیلِ حاصل ہے۔

(۵)

جن دنوں صدرِ مملکت اپنے اس تاسف کا اظہار فرما رہے تھے، انہی دنوں ہانگ کانگ سے شائع ہونے والے بین الاقوامی شہرت کے حامل میگزین (ASIA WEEK) کے ایڈیٹر انچیف (MICHAEL O'NEILL) نے ان سے ملاقات کی جس کی رپورٹ، اس میگزین کی اشاعت بابت ۴ دسمبر ۱۹۸۱ء میں شائع ہوئی ہے۔ اس کا جو حصہ قوانینِ حدود سے متعلق ہے اس کا اردو ترجمہ (قوسین میں چند توضیحی الفاظ کے ساتھ) پیشِ خدمت ہے۔ (مسٹر (O'NEILL) نے اس کے بعد مجھ سے بھی ملاقات کی تھی اور اس کی رپورٹ بھی میگزین کے اسی شمارہ میں شامل ہے۔ لیکن اسے میں بعد میں پیش کروں گا۔ پہلے آپ صدرِ محترم کے ساتھ ملاقات کی رپورٹ ملاحظہ فرمائیے)۔

میگزین ایشیا ویک کی رپورٹ

سوال:- آپ نے متعدد بار کہا ہے کہ اسلام انسانی زندگی کے لئے مکمل ضابطۂ حیات عطا کرتا ہے۔ کیا اسلام نے پاکستان کے کسی اقتصادی یا سیاسی مسئلہ کو حل کیا ہے؟

جواب:- اسلام تمہارے پورے کے پورے اطوارِ زندگی کے لئے ضابطۂ حیات ہے — بہ حیثیت ایک انسان کے۔ بہ حیثیت خاندان کے ایک فرد کے۔ بہ حیثیت قوم کے ایک فرد کے۔ بہ حیثیت اقوام کی عالمگیر برادری کے ایک رکن کے۔ اسلام، مسلمانوں کی مملکتوں کی "کامن ویلتھ" کا نظریہ پیش کرتا ہے۔ اس نقطۂ نگاہ سے وہ تمہارے اقتصادی، سیاسی، مذہبی، تعلیمی مسائل کا — حل پیش کرتا ہے۔ وہ تمہیں راہ نمائی اور اصول عطا کرتا ہے۔

رجم کی سزا

سوال:- جب صورت یہ ہے کہ آپ کی حکومت، شرعی عدالت کے اس فیصلہ کے خلاف، کہ رجم، (سنگساری) غیر اسلامی سزا ہے، اپیل کر رہی ہے، تو اسلام کو ضابطۂ حیات کس طرح قرار دیا جا سکتا ہے۔

جواب:- شرعی عدالت کا فیصلہ یہ تھا کہ اس خاص مجرم کو سنگسار نہ کیا جائے۔ گورنمنٹ، عدالت کے اس فیصلہ کے خلاف اپیل کر رہی ہے۔ اس کا مؤقف یہ ہے کہ اسے سنگسار کیا جائے۔ رجم کا قانون یہ ہے کہ اگر یہ ثابت ہو جائے کہ کسی شخص نے زنا کا ارتکاب کیا ہے ——— اور اس کے ثبوت کے لئے بہت سی شرائط ہیں ——— تو اس مرد اور عورت کو سنگسار

کیا جائے۔[۱]

سوال:۔ لیکن قرآن میں تو ایسا کہیں نہیں کہا گیا؟

جواب:۔ نہیں۔ (قرآن میں ایسا نہیں کہا گیا)۔ لیکن اس مسئلہ کے دو پہلو ہیں ـــ قرآن صرف اصول دیتا ہے اور ان اصولوں کی وضاحت (EXPLANATION) احادیث میں ملتی ہے۔ یہ دونوں مل کر شریعت بنتے ہیں۔ قانونِ شریعت یہ ہے کہ اگر چار عینی شاہد گواہی دیں کہ انہوں نے ملزم کو زنا کا ارتکاب کرتے دیکھا ہے تو اسے سنگسار کیا جائے گا۔ یہ ہے قانون۔ ایسا جنسی اختلاط خلافِ قانون ہے۔ اس میں کسی قسم کا الجھاؤ نہیں۔ زنا، غیر شادی شدہ مرد اور عورت میں جنسی اختلاط کا نام ہے۔ اگر چار عینی گواہ موجود ہوں اور اس طرح ملزم کا جرم ثابت ہو جائے تو اسے سنگسار کیا جائے گا۔

سوال:۔ اگر صورت یہی ہے تو شرعی عدالت نے یہ فیصلہ کیوں نہ دیا؟

جواب:۔ اگر چار عینی گواہ نہ ہوں، اور مجرم اپنے جرم کا خود اقرار کرے، یہ جانتے ہوئے کہ اس اقبالِ جرم کا نتیجہ کیا ہوگا؟ تو اسے مجرم قرار دیا جائے گا۔ شرعی عدالت نے، ایک جج کے اختلافی نوٹ کے ساتھ، یہ فیصلہ دیا تھا کہ رجم کا قانون غیر قرآنی ہے۔ حکومت، عدالت کے اس فیصلے کے خلاف اپیل کر رہی ہے، اس لئے کہ ہمارے خیال میں، عدالت نے قانون کا گہرا مطالعہ (HOME WORK) کئے بغیر، جذبات کی رَو میں یہ کر ایسا فیصلہ دے دیا ہے۔ ہم نے کہا ہے کہ رجم، قرآنی حکم ہے۔ ہم اپنا کیس پیش کریں گے، شرعی عدالت اپنا کیس، اور سپریم کورٹ فیصلہ دے دے گی۔

سوال:۔ سپریم کورٹ کب تک اس اپیل کی سماعت کرے گی؟

جواب:۔ اس کا فیصلہ سپریم کورٹ کرے گی۔ مجھے اس پر کوئی اختیار حاصل نہیں۔

سوال:۔ کیا سعودی عرب نے آپ سے ایسا تو نہیں کہا تھا کہ شرعی عدالت کا فیصلہ ایک خطرناک نظیر قائم کر دے گا اس لئے بہتر ہوگا کہ اس کے خلاف اپیل دائر کر دی جائے۔

جواب:۔ نہیں۔ ہم اپنی مملکت کے امور کے فیصلے آپ کرتے ہیں۔

سوال:۔ یہ حقیقت تو بہر حال موجود ہے کہ پاکستان میں نہ کسی مجرم کے ہاتھ کاٹے جاتے ہیں، نہ سر قلم کیا جاتا۔ نہ ہی کسی کو سنگسار کیا جاتا ہے؟

جواب:۔ یہ ٹھیک ہے۔ ایسا نہیں کیا جاتا۔ آپ لوگوں کو سنگسار نہیں کر سکتے۔ قرآنی قانون کا بنیادی فلسفہ یہ ہے کہ تمہارے ہاں ایسی قوت ہونی چاہیئے جو لوگوں کو ارتکابِ جرم سے باز رکھ سکے۔ ذرا سوچو کہ کیا یہ ممکن ہے کہ ایسے چار گواہ مل سکیں جو شہادت دیں کہ انہوں نے عملِ دخول کو اپنی آنکھوں

---

[۱] حکومت کے نافذ کردہ "قانونِ شریعت" کی رُو سے، یہ سزا شادی شدہ زانی اور زانیہ کی ہے۔ غیر شادی شدہ زانی اور زانیہ کی نہیں۔

سے دیکھا تھا، ایسا ناممکن (IMPOSSIBLE) ہے۔

سوال:- اس کا مطلب یہ ہوا کہ آپ نے صرف ڈراوے (DETERRENT VALUE) کی خاطر اپیل کی ہے؟

جواب:- نہیں! زنا۔ سرقہ۔ شراب خوری اور قذف (جھوٹی تہمت) صرف ایسے جرائم ہیں جن کی انتہائی سزا خود قرآن نے متعین کی ہے۔ (۱) اگر جرم زنا کے ملزم مرد اور عورت کے خلاف، عدم شہادت کی بنا پر جرم ثابت نہ ہو سکے، تو انہیں کم درجہ کی سزا دی جائے گی جو سات سال قید بامشقت، پچاس کوڑے، دو لاکھ روپے جرمانہ تک ہو سکتی ہے۔ سنگساری انتہائی سزا ہے۔

سوال:- اس کے باوجود آپ اس سزا کو اپنے ضابطۂ تعزیرات میں شامل کرنا چاہتے ہیں۔ کیا آپ چاہتے ہیں کہ پاکستان میں بھی اس قسم کی سزائیں نافذ کی جائیں جس قسم کی سزائیں (مثلاً) ایران میں نافذ ہیں؟

جواب:- ایران کے حالات پر تبصرہ کئے بغیر، میں اتنا کہنا چاہتا ہوں کہ ہم نے ان قوانین کو فروری ۱۹۷۹ء میں نافذ کیا تھا۔ اس وقت تک یہاں نہ کوئی ہاتھ کاٹا گیا ہے۔ نہ کسی کو سنگسار کیا گیا ہے۔ نہ کسی کو شراب نوشی کی سزا میں کوڑے لگائے گئے ہیں۔ یہ اس لئے کہ کسی ملزم کو مجرم قرار دینے کے لئے قرآن جس قسم کے ثبوت چاہتا ہے، وہ مل ہی نہیں سکتے۔ (۲) بنابریں، ان جرائم کی انتہائی سزائیں دی نہیں گئیں۔ کم تر سزائیں دی گئی ہیں۔ جرم زنا کے مرتکب کو چودہ سال قید بامشقت کی سزا دی گئی ہے۔ یہ مذاق نہیں۔ (۳)

میں اس انٹرویو پر تبصرہ نہیں کرنا چاہتا۔ لیکن صدرِ محترم کے جوابات میں ایک اصولی نکتہ ایسا ہے جس کے متعلق ـــ اگر خاموش بنشینم گناہ است ـــ جب سائل نے کہا کہ رجم کی سزا تو قرآن میں مذکور نہیں تو اس کے جواب میں صاحبِ صدر نے فرمایا کہ قرآن اصول دیتا ہے جس کی وضاحت کے لئے حدیث کی طرف رجوع کرنا ہوتا ہے۔ یہ دونوں مل کر قانونِ شریعت بنتے ہیں ـــ بہت اچھا۔ لیکن جرم زنا

ح۱ قرآن نے شراب نوشی کی سزا مقرر نہیں کی۔ نہ ہی اس میں کم تر سزاؤں کا ذکر ہے۔ اس کی رُو سے، جرم زنا ثابت ہو جانے کی صورت میں سو سو کوڑے کی سزا ہے۔ اور جرم ثابت نہ ہو تو ملزم بری ہو جاتا ہے۔

ح۲ معاف بفرمائید۔ ان جرائم کے ثبوت کے لئے یہ شرائط فقہ کی عائد کردہ ہیں۔ قرآن کی نہیں۔ یہ کہنا کہ خدا قانون تو مقرر کرتا ہے لیکن ان کے ثبوت کے لئے جو شرائط عائد کرتا ہے، ان کا پورا کیا جانا، ناممکن ہے۔ اس کے متعلق جو تصور پیدا کرتا ہے ظاہر ہے۔

ح۳ اس انٹرویو میں جمہوریت، نظامِ مملکت۔ اسلام کے سیاسی نظام کے متعلق بھی بہت کچھ کہا گیا ہے لیکن میں اس مقام پر اس بحث کو نہیں چھیڑنا چاہتا۔ میں صرف قانون سازی کے مسئلہ تک محدود رہنا چاہتا ہوں۔

کی سزا کے سلسلہ میں تو قرآن نے اصول نہیں دیا۔ اس نے سزا کو خود متعین کر دیا ہے، اور متعین بھی اس حد تک کہ کوڑوں کی تعداد بھی خود مقرر کر دی ہے۔ لہٰذا، اس کے لئے قرآن سے باہر کسی وضاحت کی ضرورت نہیں رہتی۔ ویسے بھی قرآن نے جرمِ زنا کی سزا بلا تفریق و تخصیص، سو سو کوڑے مقرر کر دی اور حدیث نے کہا کہ یہ سزا غیر شادی شدہ مجرموں کے لئے ہے۔ شادی شدہ مجرموں کی سزا سنگسار ہے جس کا ذکر قرآن میں نہیں۔ اسے قرآن کے اصول کی وضاحت نہیں کہا جا سکتا! یہ تو قرآن کے حکم کے خلاف ایک دوسرا حکم ہے۔ شاہ ولی اللہؒ کی جس کتاب کا ہم نے پہلے ذکر کیا ہے، اس میں انہوں نے یہاں تک کہہ دیا ہے کہ

> امرِ خاص اپنے مفہوم میں واضح ہے۔ اس کو کسی تشریحی بیان سے وابستہ نہ کیا جائے۔ (صفحہ ۸۲)

---(٥)---

میگزین (ASIA WEEK) نے اپنی اسی اشاعت میں، اس انٹرویو کے بعد، ایک تفصیلی مقالہ (غالباً اداریہ) لکھا ہے جس کا عنوان ہے ــــ "پاکستان کے لئے جنگ"ــــ اس میں اس انٹرویو کی تفصیلی رپورٹ درج ہے جو مسٹر (MICHAEL O'NEILL) نے مجھ سے لیا تھا۔ اس رپورٹ سے پہلے، اس میگزین نے تمہیداً بھی کچھ لکھا ہے جس کے دو ایک اقتباسات زیرِ نظر موضوع کے متعلق ہیں اور اس قابل..... کہ انہیں پہلے پیش کر دیا جائے۔ اس میں کہا ہے:۔

> جب جنرل ضیاء نے ۱۹۷۷ء میں اقتدار سنبھالا تو انہوں نے کہا تھا کہ ان کی ترجیحات میں سرفہرست جمہوریت کی بحالی اور انتخابات ہیں۔ اب وہ اس امر کا اعلانیہ اعتراف کرتے ہیں کہ ان کی اوّلین ترجیح پاکستان کو "اسلامیانہ" ہے۔ پاکستان کی ساڑھے آٹھ کروڑ آبادی ہیں، جس میں نوّے فیصد حنفی سُنّی مسلمان ہیں، بہت کم ایسے ہوں گے جو صدرِ مملکت کی اس خواہش کی مخالفت کرتے ہوں، کیونکہ ان کے نزدیک اسلامی معاشرہ، عدل، مساوات اور جمہوریت کا آئینہ دار ہوگا۔ لیکن مشکل یہ ہے کہ (اس قسم کی مملکت کا) پاکستان کی مغربی ہمسایہ مملکتوں میں بھی، جو گہری مذہب پرست ہیں، کوئی نمونہ (ماڈل) نہیں ملتا۔ (ان میں کوئی بھی اسلامی مملکت نہیں)، .....پاکستان کے غالباً سب سے بڑے اسلامی سکالر (FOREMOST ISLAMIC-SCHOLAR) چوہدری غلام احمد پرویز کے الفاظ میں "وہ مسلمانوں کی مملکتیں ہیں"ــــ (اسلامی نہیں)۔

اس کے بعد اس نے لکھا ہے:۔

؎ میں نے اپنے آپ کو ہمیشہ قرآن کا ایک ادنیٰ طالب علم سمجھا، اور کہا ہے، لیکن اقتباس میں مقالہ نگار کے الفاظ کا بعینہٖ نقل کرنا ضروری ہوتا ہے۔

چھ ماہ کا عرصہ ہوا، شرعی عدالت نے فیصلہ دیا کہ حکومت کا ۱۹۷۹ء کا رجم کا قانون قرآنی نہیں، اس لئے غیر اسلامی ہے۔ جنرل ضیاء کی حکومت اس فیصلہ کے خلاف اپیل کر رہی ہے۔ کیونکہ (جنرل موصوف کے الفاظ میں) عدالت نے گہرا مطالعہ کئے بغیر یہ فیصلہ صادر کر دیا ہے۔ مختصر الفاظ میں، جنرل ضیاء کا عقیدہ ہے کہ یہ سزا اسلامی ہے۔ اس سے گزشتہ کچھ عرصہ سے، مغربی ایشیا سے لے کر جنوب مشرقی ایشیا تک کے باشندوں کے دل میں اُلجھاؤ (CONFUSION) پیدا ہو رہا ہے جس کی تہہ تک پہنچنے کے لئے (O'NEILL) نے گزشتہ ہفتہ، اٹھتّر سالہ پرویز سے، اس کی کتابوں سے بھر پور مطالعہ گاہ (لاہور) میں ملاقات کی۔ انہوں نے جو کچھ کہا وہ درج ذیل ہے۔

یہ رپورٹ طویل ہے لیکن موضوع کی اہمیّت کے پیشِ نظر، اس کا مکمل طور پر سامنے لانا ضروری ہے۔ اس میں لکھا ہے کہ پرویز نے کہا:۔

"جب آپ کسی چیز کے متعلق کہیں کہ وہ اسلامی ہے، تو سب سے پہلے یہ معلوم کرنا ضروری ہوگا کہ اُسے اسلامی کہنے کے لئے اتھارٹی کیا ہے؟ (مثلاً) جب ہم کہتے ہیں کہ فلاں بات آئین (کانسٹی ٹیوشن) کے مطابق ہے تو اس کے لئے ایک اتھارٹی ہوتی ہے —— یعنی خود کانسٹی ٹیوشن۔ جب ہم کہتے ہیں کہ فلاں بات آئین کے مطابق ہے اور فلاں اُس کے خلاف، تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ کوئی دستور ہے جو اس باب میں اتھارٹی قرار پاتا ہے۔ اس اصول کی رُو سے، یہ لازم آتا ہے کہ مسلمانوں کے ہاں بھی کوئی ایسی چیز ہونی چاہیئے جسے وہ سب متفقہ طور پر مشترکہ اتھارٹی تسلیم کریں۔ جب وہ اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اسلام کو قبول کرتے ہیں۔ اور اگر اسلام کے لئے ایک مشترکہ اتھارٹی ہے تو اُسی کو تمام مسلمانوں کے لئے اتھارٹی ہونا چاہیئے جس کی رُو سے وہ فیصلہ کریں کہ فلاں چیز اسلامی ہے یا غیر اسلامی —— خواہ وہ رجم کا قانون ہو یا مملکت کا کوئی اور قانون یا حکم۔

اسلام مذہب نہیں۔ یہ ضابطۂ حیات ہے۔ نظامِ زندگی ہے۔ اور اجتماعی نظامِ زندگی جس کے لئے ایک مملکت کی ضرورت لاینفک ہے۔"

"یہ طے کرنے کے لئے کہ فلاں چیز اسلامی ہے یا غیر اسلامی، ایک اتھارٹی کا ہونا لازمی ہے —— وہ شرعی عدالت ہو، صدرِ مملکت ہو یا ایک عام شہری —— وہ ان سب کے لئے یکساں اتھارٹی ہونی چاہیئے۔ اگر ہم اسے متعیّن کر لیں۔ اسے (DEFINE) کر دیں تو آدھا مسئلہ اسی سے حل ہو جاتا ہے۔ اگر وہ مشترکہ اتھارٹی موجود ہے تو اس کا سوال ہی پیدا نہیں ہوگا کہ جو کچھ شرعی عدالت کہتی ہے وہ اسلامی ہے، یا جو میں کہتا ہوں، وہ اسلامی ہے۔ کیا آپ نے محترم صدرِ مملکت سے یہ دریافت کیا تھا (کہ وہ اتھارٹی کونسی ہے)؟"

"(ایک بات یہ بھی سمجھ لیجئے کہ) علم و بصیرت اور فکر و تدبّر، اسلامی قوانین کے بہت قریب ہیں۔ (اور دوسری بات یہ کہ) جس اتھارٹی کا میں ذکر کر رہا ہوں وہ قرآن مجید ہے۔ یہی، اور یہی اتھارٹی ہے۔ اور یہ

غیر متبدّل ہے۔ جب کوئی شخص اسے اتھارٹی تسلیم کر لیتا ہے تو وہ مسلمان ہو جاتا ہے۔ اور جب تک وہ اسے تسلیم کئے رہتا ہے، وہ مسلمان رہتا ہے۔ اس باب میں، کسی کے اپنے خیال کو کوئی اہمیت حاصل نہیں۔"

"(اسلام تو ایک طرف) سیکولر قوانین میں بھی کیفیت یہ ہے کہ جب ہم کہتے ہیں کہ فلاں بات قانون کے مطابق ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ فلاں فلاں قانون کے مطابق ہے۔ ظاہر ہے کہ اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ قانون موجود ہو، اور ایسا ہو جسے تمام فریق قانون تسلیم کرتے ہوں۔ اسی طرح جب ہم اسلام کی بات کریں گے ——— خواہ یہ ہندوستان میں ہو، خواہ سنگا پور میں اور خواہ پاکستان میں، اور خواہ وہ کوئی عام مسلمان ہو، خواہ کسی مملکت کا سربراہ ہو، اور خواہ کوئی "مقدّس مُلّا" ہو ——— ہمیں واضح کرنا ہوگا کہ کسی بات کو اسلامی کہنے کے لئے فلاں اتھارٹی ہے۔ اور اس کے لئے واحد اتھارٹی قرآنِ مجید ہے۔"

"یہ ایک مکمل اتھارٹی ہے۔ اس میں کسی قسم کا حک و اضافہ (کمی بیشی) نہیں کی جا سکتی کیونکہ (قرآن کی رُو سے) خود اللہ تعالےٰ نے فرما دیا ہے کہ یہ مکمل ہے۔ جو اس کے خلاف ہے وہ کسی چیز کے اسلامی قرار پانے کے لئے اتھارٹی نہیں ہو سکتا۔ جو اس (قرآن) میں نہیں وہ اسلام نہیں (اسلام پر عمل کرنے کا طریق ہوگا)۔ قرآن کی رُو سے، خود پیغمبرؐ کو بھی اس میں کسی قسم کی تبدیلی کرنے کا اختیار نہیں تھا۔ قرآنِ کریم میں خود ذاتِ رسالت مآبؐ کا یہ ارشاد موجود ہے کہ اس میں، میں بھی کوئی تبدیلی نہیں کر سکتا۔"

"کچھ لوگ قرآن کے علاوہ اور چیزوں کو بھی اتھارٹی تسلیم کرتے ہیں۔ وہ روایات کو اتھارٹی مانتے ہیں۔ (جس طریق سے یہ وضع اور مدوّن ہوئی تھیں اس کی روشنی میں) میں انہیں دین کی تاریخ قرار دیتا ہوں۔ کچھ لوگ فقہ کو اتھارٹی قرار دیتے ہیں۔ کوئی ہزار سال کا عرصہ گذرا، بعض "فقہا" نے کچھ قوانین مرتب کئے۔ یہ انسانوں کے وضع کردہ قوانین تھے۔ اُس وقت کی مملکتوں نے انہیں بطورِ قوانینِ حکومت اپنے ہاں نافذ کر دیا۔ لیکن وہ قرآنی قوانین نہیں۔ ان میں جو قوانین قرآن کے مطابق ہیں ہم انہیں اسلامی قرار دے سکتے ہیں، اس بنا پر کہ وہ قرآن کے مطابق ہیں۔ اگر ایک غیر مسلم مملکت بھی اپنے ہاں کوئی ایسا قانون نافذ کرے جو قرآن کے مطابق ہو، تو ہم کہیں گے کہ وہ قانون قرآن کے مطابق ہے (لیکن اتنے سے وہ مملکت اسلامی نہیں بن جائے گی)۔ اس کے برعکس اگر مسلمانوں کی کوئی مملکت ایسا قانون نافذ کرے جو قرآن کے خلاف ہو، تو ہم اسے اسلامی قانون کی حیثیت سے تسلیم نہیں کریں گے۔ (بدقسمتی سے) اس وقت کوئی مملکت ایسی نہیں جو قرآن کو آخری اور واحد اتھارٹی تسلیم کرتی ہو۔ وہ یا تو فقہ کو اتھارٹی تسلیم کرتے ہیں اور یا ان روایات کو جنہیں حضور نبی اکرمؐ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ (واضح رہے کہ اقوالِ رسول اللہؐ اور اقوالِ منسوب الی الرسولؐ میں بنیادی فرق ہے)[1]۔ لیکن اس کے باوجود، ایک اسلامی مملکت کا قیام ممکن ہے۔ قرآن ہمارے

---

[1] میں نے اس مقام پر واضح کر دیا تھا کہ ان روایات کے پرکھنے کے لئے بھی اتھارٹی قرآنِ کریم ہے۔ جو روایت قرآن کے خلاف نہیں ہم تسلیم کر لیں گے کہ وہ حضورؐ کا ارشاد ہو سکتی ہے۔ جو اس کے خلاف ہو گی، ہم بلا تامّل کہہ دیں گے کہ حضورؐ کی طرف اس کی نسبت صحیح نہیں کیونکہ حضورؐ کا کوئی عمل یا ارشاد قرآن کے خلاف نہیں ہو سکتا تھا۔

پاس موجود ہے ــــــــ غیر محرف، غیر متبدل۔ اسی شکل میں، جس میں (ہمارے ایمان کی رُو سے) اسے خدا نے نبی اکرمؐ پر نازل فرمایا تھا، اور حضورؐ نے اُمّت کو دیا تھا۔ اس میں زیر، زبر تک کی بھی تبدیلی نہیں ہوئی“۔

”قرآنِ کریم نے واضح الفاظ میں جرمِ زنا کی سزا، صرف کوڑے بتائی ہے۔ اس میں کسی قسم کا ابہام نہیں۔ رجم کی سزا قرآنی نہیں۔ جب حکومت نے رجم کا قانون نافذ کیا تھا، تو اس نے یہ نہیں کہا تھا کہ اس میں کوئی بات سیکولر (انسانوں کی وضع کردہ) ہے۔ انہوں نے کہا تھا کہ سیکولرازم خلافِ اسلام ہے۔ وہ (اپنے معیار کی رُو سے) مختلف باتوں کو اسلامی کہہ دیتی ہے۔ چونکہ پاکستانیوں کی اکثریت، قوانینِ فقہ کو اسلامی تسلیم کرتی ہے، اس لئے حکومت کا مؤقف یہ ہے کہ انہیں اسلامی تسلیم کیا جائے۔ شرعی عدالت نے کہا تھا کہ سوال اکثریت یا اقلیت کا نہیں۔ اگر ایک مسلمان بھی ثابت کر دے کہ وہ قانون خلافِ قرآن ہے تو وہ خلافِ اسلام قرار پا جائے گا۔ جن لوگوں نے قانونِ رجم کو شرعی عدالت میں چیلنج کیا تھا، انہوں نے ثابت کر دیا تھا کہ وہ قرآن کے خلاف ہے۔ لہٰذا اس قانون کو منسوخ کر دینا چاہیئے“۔

”کسی مملکت کو اسلامی اسی صورت میں کہا جائے گا جب وہ قرآن کے مطابق عمل کرے۔ اگر کوئی بالائی عدالت کہہ دے کہ جن احکام کو یہاں کی اکثریت تسلیم کرتی ہے، وہ اسلامی قوانین ہیں، تو کیا اس سے یہ قوانین فی الواقعہ اسلامی ہو جائیں گے؟ (قانونِ رجم کے متعلق شرعی عدالت نے جو فیصلہ دیا، اور جس کے خلاف حکومت نے سپریم کورٹ میں اپیل کی ہے)۔ اگر وہ اپیل منظور ہو جاتی ہے تو یہ ملکی قانون تو ہو جائے گا، اسلامی قانون نہیں ہوگا۔ (اور ہم اس کی اطاعت اسی طرح کریں گے جس طرح دیگر ملکی قوانین کی اطاعت کی جاتی ہے)“۔

---(۰)---

یہ تھی اس انٹرویو کی رپورٹ جو ایشیا ویک کے ایڈیٹر انچیف نے مجھ سے کیا تھا۔ (اسے بہ حیثیت مجموعی میرے خیالات کا مفہوم کہا جا سکتا ہے۔ یقیناً لفظاً نہیں)۔ اس کے بعد اس میگزین نے اپنے اداریہ میں لکھا ہے:-

> پاکستان میں ابھی تک کسی کو رجم کی سزا نہیں دی گئی، اگرچہ کوڑوں کی سزا بکثرت دی گئی ہے، اور (جیسا کہ صدرِ مملکت کے ساتھ انٹرویو کی رپورٹ میں بتایا جا چکا ہے) صدر ضیاء نے اشارۃً بتا دیا ہے کہ ایسا کبھی نہیں ہوگا۔ لیکن، جیسا کہ عمر رسیدہ، مریض، پرویز نے کہا ہے ”یہ بڑی عجیب بات ہے۔ اس لئے کہ اگر مملکت اسلامی ہے، اور یہ قوانین بھی اسلامی ہیں تو انہیں نافذ کرنا چاہیئے، خواہ اس کے عواقب کچھ ہی کیوں نہ ہوں“!

FUNDAMENTALISM.

اس کے بعد اس میگزین میں، اسلام آباد کے کسی خدا پرست مسلمان قانون دان (A DEVOUTLY MUSLIM LAWYER) کا ایک بیان بھی درج کیا گیا ہے۔ میں اس بیان کو پیش نہیں کر رہا لیکن اس ایک نکتہ ایسا ہے جو بڑا اہم ہے

اور اس قابل کہ اسے انتہائی غور و فکر سے سمجھا جائے۔ انہوں نے کہا ہے کہ جو کچھ یہاں ہو رہا ہے اس کا جذبۂ محرکہ (FUNDAMENTALISM) ہے۔ یہ اصطلاح حال ہی میں رائج ہوئی ہے اور یورپ، اور امریکہ کے ذرائع ابلاغ اسے بہت بڑھا چڑھا کر پیش کر رہے ہیں۔ اس سے ان کی مراد، اس "حقیقی اور بنیادی اسلام" کا احیاء اور فروغ ہے جس کی علمبردار ہماری قدامت پسند مذہبی پیشوائیت، ہے۔ اس کے پیچھے کیا جذبہ کارفرما ہے، اسے سمجھنے کے لئے ہمیں بہت پیچھے جانا پڑے گا۔

جب مدینہ میں قرآنی مملکت کا قیام عمل میں آیا، تو اس کے دائیں بائیں دنیا کی دو عظیم سلطنتیں ہی نہیں، قدیم ترین تہذیبیں (ایران اور روما) انتہائی عروج پر تھیں۔ اس نظام نے قلیل ترین عرصہ میں ان کا تختہ اُلٹ دیا۔ اس لئے کہ قرآن کا اوّلین مقصد دنیا سے شخصی حکومت،

قرآنی انقلاب

نظامِ سرمایہ داری اور مذہبی پیشوائیت کو ختم کر کے انسان کو حقیقی آزادی سے بہرہ یاب کرانا تھا۔ فتح ایران کے بعد جب وہاں کا ایک نامور گورنر، ہرمزان، جنگی قیدی کی حیثیت سے حضرت عمرؓ کے پیش ہوا تو آپؓ نے اس سے کہا کہ تمہارے متعلق فیصلہ تو بعد میں ہو گا، پہلے مجھے ایک بات بتاؤ۔ اس سے پہلے حالت یہ تھی کہ اگر عرب کبھی بھولے سے بھی تمہارا سامنا کر بیٹھتے تھے تو تم انہیں ایک ہی جھٹکے میں پسپا کر دیتے تھے۔ اب وہی عرب ہیں اور وہی تم ایرانی ہو۔ لیکن حالت یہ ہے کہ ان عربوں نے تمہارا سارا ملک فتح کر لیا ہے۔ تم پابجولاں میرے سامنے کھڑے ہو اور تمہارا شاہنشاہ اپنی جان بچانے کے لئے مارے مارے پھر رہا ہے۔ میں پوچھنا یہ چاہتا ہوں کہ یہ انقلاب کیسے برپا ہو گیا؟

ہرمزان نے جو جواب دیا وہ ساری مضمر حقیقت کو واشگاف کر دیتا ہے۔ اس نے کہا کہ بات بالکل صاف ہے۔ پہلے جب ہمارا اور آپ کا مقابلہ ہوتا تھا تو ایک طرف ایرانی ہوتے تھے اور دوسری طرف تنہا عرب۔ اس لئے انہیں شکست دے دینا کچھ بھی مشکل نہیں تھا۔ اب جب مقابلہ ہوتا ہے تو ایک طرف تنہا ایرانی ہوتے ہیں اور دوسری طرف عرب اور ان کے ساتھ ان کا خدا۔ ان دونوں کو شکست دیدینا، ہم کیا، دنیا کی کسی قوم کے بس کی بھی بات نہیں۔

یہ تھا جو قرآن نے کیا تھا۔ ایرانی مفتوح ہوئے تو مسلمان ہو گئے لیکن عربوں کے ہاتھوں جو ذلت انہیں اٹھانی پڑی تھی اس کے زخم بڑے گہرے تھے اور اس کے انتقام کی آگ ان کے سینے میں سلگ رہی تھی۔

ایرانیوں کا جذبۂ انتقام

عباسیوں نے سلطنت انہی ایرانیوں کے توسط سے حاصل کی تھی اس لئے ان کے عہد میں وہ ساری مملکت پر چھا گئے[1]۔ اس سے انہیں اپنا انتقام لینے کا موقع ہاتھ آ گیا۔ ہرمزان نے جو بات کہی تھی، وہ انہیں ازبر تھی۔ اس لئے انہوں نے سمجھ لیا تھا کہ مسلمانوں سے انتقام لینے کا طریقہ یہ ہے کہ ان سے وہ قرآن چھڑا دیا جائے جس کی بدولت انہیں اتنا

---

[1] تفصیل ان امور کی میری کتاب "شاہکارِ رسالت" میں ملے گی۔

قدر قوت حاصل ہوگئی تھی۔ اس سلسلہ کی پہلی کڑی یہ تھی کہ انہوں نے زبانی روایات کو جمع اور مدوّن کرنا شروع کیا۔ آپ کو معلوم ہوگا کہ سُنیوں کی احادیث کی معتبر ترین چھ کتابیں ہیں جنہیں صحاح ستہ کہا جاتا ہے۔ ان چھ کے چھ مجموعوں کے مرتب کرنے والے ایرانی ہیں۔ روایات جمع کیں اور یہ عقیدہ وضع کر دیا کہ جو وحی رسول اللہ ؐ پر نازل ہوئی تھی اس کی دو قسمیں تھیں۔ ایک وحی قرآن میں آگئی اور دوسری وحی یہ روایات ہیں۔ لہٰذا، روایات قرآن کی مثل (مثلہ معہ) ہیں۔ حتیٰ کہ یہ قرآن کو منسوخ بھی کر سکتی ہیں۔ انہی روایات کی رُو سے فقہ کے احکام مرتب ہوئے اور ان کے متعلق یہ عقیدہ وضع کیا گیا کہ اگر فقہ کے کسی قانون اور قرآن کی آیت میں تصادم ہو، تو اول تو یہ کوشش کرنی چاہیئے کہ قرآنی آیت کی ایسی تاویل کی جائے جو قانونِ فقہ کے مطابق ہو، اور اگر ایسا ممکن نہ ہو تو قرآنی آیت کو منسوخ سمجھا جائے۔ (تاریخ فقہ اسلامی۔ علامہ خضریؒ) اس طرح قرآن بیچ میں سے صاف نکل گیا اور اسلام نام رہ گیا انہی روایات اور فقہی قوانین کا۔ یہی وہ اسلام ہے، جسے اقبالؒ نے عجمی اسلام کہہ کر پکارا تھا! اور جو آج تک رائج چلا آرہا ہے۔

(٥)

پچھلی صدی کے اواخر اور بیسویں صدی کے شروع میں، مسلمانوں کے مختلف ممالک میں ایسی فکری تحریکیں اُبھریں جن کا مقصد یہ تھا کہ جو عجمی اسلام ہزار سال سے مروّج چلا آرہا ہے۔ اس کی جگہ قرآنی اسلام رائج کیا جائے ——— ترکی میں سعید حلیم پاشا، مصر میں مفتی عبدہ۔ ہندوستان سر سیدؒ اور اقبالؒ اسی تحریک کے علمبردار تھے۔ اقوامِ مغرب اچھی طرح جانتی تھیں کہ اگر کہیں قرآنی نظام قائم ہوگیا تو جو کچھ اس سے اُس زمانے کے ایران کے ساتھ ہوا تھا، وہی حشر ہمارا ہوگا۔ اس خطرہ سے محفوظ رہنے کے لئے انہوں نے اس خیال کو عام کیا اور کرایا کہ حقیقی اور بنیادی اسلام وہ ہے جس کا علمبردار مسلمانوں کا قدامت پرست طبقہ ہے۔ اسی کا فروغ، اسلام کا فروغ ہے۔ اسے وہ FUNDAMENTAL ISLAM) ۔۔ کہہ کر پکارتے ہیں اور اس کی نشر و اشاعت کے لئے وسیع پیمانے پر کوششیں ہو رہی ہیں۔ یہ جو آپ اس وقت ساری دنیا میں اسلامک سنٹرز۔ اسلامک مشن۔ اسلامک کانفرنسز۔ اسلامک سیمینارز اسلامک لیکچرز۔ اسلامک لٹریچر کی بھرمار دیکھ رہے ہیں، اور ان پر سیلاب کی طرح روپیہ خرچ ہو رہا ہے، یہ سب اسی سکیم کی کار فرمائیاں ہیں۔ آپ نے کبھی اس پر بھی غور کیا ہے کہ ہمارے وہ مولوی صاحبان، جنہیں کل تک (معاف بفرمائیے) شاہدرہ تک جانے کی بھی بمشکل توفیق ہوتی تھی، آج کس طرح ہوائی جہازوں پہ اڑتے اور ساری دنیا کے چکر کاٹتے پھرتے ہیں، اور یورپ اور امریکہ کے (FIVE-STARS) ہوٹلوں میں قیام فرماتے ہیں، تو یہ روپیہ کہاں سے آتا ہے اور کس قسم کے اسلام کی تبلیغ پر خرچ کیا جارہا ہے ؟

روزنامہ ڈان کی ۲۵ مارچ ۱۹۸۱ء کی اشاعت میں شائع شدہ ایک مضمون کی رُو سے، صرف.....
امریکہ اور کینیڈا میں (۲۷) اسلامک سنٹر ہیں۔ ٹورنٹو (کینیڈا) سے ان کا ایک پندرہ روزہ اخبار الہلال شائع

ہوتا ہے۔ اس میں ایک کالم ہوتا ہے "اسلام اور زندگی کے مسائل"۔ اس اخبار کی (۱۵) اپریل سنہ ۱۹۸۱ء کی اشاعت میں زندگی کے جن مسائل کے متعلق اسلامی تعلیم پیش کی گئی ہے اس کا اندازہ ان سوالات سے لگا لیجیے۔

(۱) اگر سفر میں غلطی سے سمتِ قبلہ کے خلاف نماز پڑھ لی جائے تو وہ نماز ہو جاتی ہے یا نہیں؟

(۲) قضا نماز کس طرح ادا کی جائے؟

(۳) بچے کی پیدائش پر اس کے کان میں اذان کس طرح دی جائے؟

(۴) باکسنگ کے بارے میں کیا فتویٰ ہے؟

ان سوالات سے اس اسلام کا اندازہ لگائیے جس کے فروغ کے لئے اقوامِ مغرب نے اپنے دروازے کھول رکھے ہیں۔

ابلیس کی مجلسِ شوریٰ

علامہ اقبالؒ کی نگہ بصیرت نے اس خطرہ کو بہت پہلے بھانپ لیا تھا۔ یوں تو ان کے کلام میں جستہ جستہ ہر مقام پر اس کی طرف اشارے ملتے ہیں، لیکن جس انداز سے انہوں نے اسے، اپنی آخری کتاب — ارمغانِ حجاز — کی اس نظم میں واضح کیا ہے، اس کا جواب خود ان کے دوسرے کلام میں بھی نہیں ملتا۔ اس کا انداز ڈرامائی ہے جس میں ابلیس اپنی مجلسِ شوریٰ کا اجلاس منعقد کرتا ہے۔ اس میں ہر شعبہ کا مشیر اپنی اپنی کارگزاری کی تفصیل پیش کرتا ہے اور بتاتا ہے کہ اس نے کاروانِ انسانیت کو ابلیسی راستوں پر ڈال لینے کے لئے کیا کچھ کیا ہے۔ اور راہ رکاوٹیں کیا ہیں۔ وہ ان سب کی رپورٹوں کو بڑی توجہ سے سنتا ہے، اور آخر میں کہتا ہے کہ تم جن تحریکوں کو ابلیس کے پروگرام کے لئے خطرناک قرار دیتے ہو، مجھے ان میں کوئی خطرہ نظر نہیں آتا۔

ہے اگر مجھ کو خطر کوئی تو اُس اُمت سے ہے — جس کی خاکستر میں ہے اب تک شرارِ آرزو

آخری مشیر نے کہا تھا کہ اُسے کمیونزم (مزدکیت) بڑی خطرناک نظر آ رہی ہے۔ اس کے جواب میں وہ کہتا ہے کہ

جانتا ہے جس پہ روشن باطنِ ایام ہے — مزدکیت فتنۂ فردا نہیں، اسلام ہے

جب اس نے کہا کہ "ہے اگر مجھ کو خطر کوئی تو اس اُمت سے ہے" تو اس سے اس کے مشیروں کی آنکھوں میں خندۂ زیر لب نے یہ کہہ کر انگڑائی لی کہ بھلا اس اُمت سے کیا خطرہ لاحق ہو سکتا ہے؟ اس پر اس نے کہا۔

جانتا ہوں میں یہ اُمت حاملِ قرآں نہیں — ہے وہی سرمایہ داری بندۂ مومن کا دیں
جانتا ہوں میں کہ مشرق کی اندھیری رات میں — بے ید بیضا ہے پیرانِ حرم کی آستیں

میں یہ سب جانتا ہوں۔

عصرِ حاضر کے تقاضاؤں سے ہے لیکن یہ خوف — ہو نہ جائے آشکارا شرعِ پیغمبرؐ کہیں

یہ تھا وہ خطرہ جسے اقوامِ مغرب نے ان مفکرین کی دعوت الی القرآن میں پنہاں دیکھا تھا جن کا ذکر میں نے

پہلے کیا ہے۔ اس کے توڑ کے لئے انہوں نے (FUNDAMENTALISM) کی تحریک ایجاد کی جس کا مفہوم یہ ہے کہ عجمی اسلام کو عین اسلام بنا کر اجاگر کرو، اور مسلمانوں کو (ابلیس کے الفاظ میں) اس قسم کی بحثوں میں اُلجھا دو کہ ؎

ابنِ مریم مر گیا یا زندۂ جاوید ہے! ہیں صفاتِ ذاتِ حق، حق سے جدا یا عینِ ذات
آنے والے سے مسیحِ ناصری مقصود ہے یا مجدد جس میں ہوں فرزندِ مریمؑ کے صفات
ہیں کلام اللہ کے الفاظ حادث یا قدیم اُمتِ مرحوم کی ہے کس عقیدے میں نجات

ان نظریات کو جو مرورِ زمانہ سے مٹتے جا رہے ہیں پھر سے اجاگر کر کے اس قوم کے سامنے لاؤ، اور اس طرح ؎

تم اسے بیگانہ رکھو عالمِ کردار سے! تا بساطِ زندگی میں اس کے سب مہرے ہوں مات

اس قدر تاکید کے بعد، اس نے پھر اپنے مشیروں سے کہا کہ ؎

ہر نفس ڈرتا ہوں اس اُمت کی بیداری سے میں ہے حقیقت جس کے دیں کی احتسابِ کائنات

اس کے بعد اس نے کہا کہ اس کے لئے حتمی نسخہ یہ ہے کہ ؎

مست رکھو ذکر و فکرِ صبحگاہی میں اسے پختہ تر کر دو مزاجِ خانقاہی میں اسے

علامہ اقبالؒ نے ان خیالات کا اظہار اپنی وفات (۱۹۳۸ء) سے کچھ ہی عرصہ پہلے کیا تھا۔ اس خطرہ کے توڑ کے لئے وہ اس سے پہلے مسلمانوں کی ایسی آزاد مملکت کے قیام کا تصور پیش کر چکے تھے جس میں عجمی اسلام کی جگہ، قرآنی اسلام نافذ کیا جائے۔ ایامِ گذشتہ میں پاکستان میں ان موضوعات پر محض نظری بحثیں ہوا کرتی تھیں۔ لیکن جب سے اس مملکت کے لئے "اسلامی" قانون سازی کا پروگرام ہاتھ میں لیا گیا ہے ملا (FUNDAMENTALISM) کی تحریک زیادہ شدت اختیار کر گئی ہے جس کا مقصد ہمارے دورِ ملوکیت میں وضع شدہ عجمی اسلام کا احیاء ہے۔ اس زمانے کے فقہی قوانین کا نفاذ اسی پروگرام کی ایک کڑی ہے۔

مجھے کسی کی نیت پر شبہ کرنے کی ضرورت نہیں۔ نہ ہی میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ یہ کچھ اقوامِ مغرب کے ایماء پر کیا جا رہا ہے۔ حقیقت کچھ بھی ہو، لیکن جو کچھ ہو رہا ہے وہ اُن اقوام کے پیشِ نظر مقصد کے حصول کا ذریعہ ضرور بن رہا ہے ...... یعنی اس مقصد کے حصول کا ذریعہ کہ یہاں قرآنی نظام نافذ نہ ہو جائے۔

تحریکِ پاکستان کے دوران اس خطرہ کا احساس ہندوؤں کے دل میں بھی اُبھر رہا تھا۔ ۱۹۴۷ء کا ذکر ہے کہ لدھیانہ میں "اکھنڈ بھارت کانفرنس" کا اجلاس، ایک ممتاز کانگریسی لیڈر، مسٹر منشی کے زیرِ صدارت منعقد ہوا۔ اس نے سامعین سے کہا کہ "آجکل مسلم لیگ کی طرف سے نظریۂ پاکستان کا بڑا چرچا ہو رہا ہے۔ تمہیں معلوم ہے کہ اس کا مقصود و مطلوب کیا ہے۔ اگر تمہیں معلوم نہیں تو سُن لیجئے کہ اس سے مفہوم یہ ہے کہ

ہندوستان میں مسلمانوں کو حق حاصل ہے کہ وہ ملک کے ایک یا ایک سے زیادہ علاقوں میں اپنے لئے ایسے اماکن بنائیں جہاں زندگی اور طرزِ حکومت قرآنی سانچوں میں ڈھل سکے۔

اس کے بعد اس نے کہا کہ

میں پوچھنا چاہتا ہوں، نیشنلسٹ مسلمانوں سے کہ انہوں نے مسلم عوام تک پہنچ کر انہیں اس خطرہ سے آگاہ کیوں نہیں کیا؟

شکست کا بدلہ

جلسہ میں جمعیتہ العلمائے ہند کے رکن ایک مفتی صاحب بھی تشریف فرما تھے۔ انہوں نے پکار کر کہا کہ ہم ایسا نہیں ہونے دیں گے۔"

(بحوالہ ٹریبیون۔ مورخہ ۲؍ نومبر ۱۹۴۱ء)

اور انہوں نے پاکستان میں واقعی ایسا نہیں ہونے دیا، اور اس طرح اس شکست کا بدلہ لے لیا جو انہیں اقبالؒ اور قائدِ اعظمؒ کے ہاتھوں اٹھانی پڑی تھی۔

کہا جا سکتا ہے کہ یہاں جو کچھ کیا جا رہا ہے، نیک نیتی سے کیا جا رہا ہے۔ مجھے اس میں شک کرنے کی ضرورت نہیں۔ لیکن اسے تو تسلیم کیا جائے گا کہ نیک نیتی سے کوئی غلط کام صحیح نہیں قرار پا سکتا، نہ ہی نیک نیتی سے میٹھا کیا ہوا سنکھیا تریاق بن سکتا ہے۔ کتنی مائیں ہیں جو بچے کو سلانے کے لئے نہایت نیک نیتی سے اسے افیون چٹاتی ہیں۔ لیکن ماں کی نیک نیتی سے بچہ، افیون کے مضر اثرات سے محفوظ تو نہیں رہ سکتا! جو فقہی قوانین یہاں اسلام کے نام سے نافذ ہو رہے ہیں، ان کا پہلا نتیجہ تو یہ ہے کہ قوم کا نوجوان طبقہ خود نفسِ اسلام سے برگشتہ ہو رہا ہے، اور غیر مسلم قوموں کے دل میں اسلام کا جو بھرم باقی تھا، وہ بھی ختم ہو رہا ہے۔

لیکن میں اس سے مایوس نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جب نوعِ انسان کے لئے اسلام کو بہ حیثیت نظامِ زندگی منتخب کیا تھا تو اس کا اعلان کر دیا تھا کہ یہ نظام، تمام نظامہائے عالم پر غالب آکر رہے گا۔ ($\frac{9}{33}$) اگر کوئی قوم اسے اپنے ہاں نافذ نہیں کریگی تو اس سے خدا عاجز نہیں آجائے گا۔ وہ اس قوم کی جگہ دوسری قوم لے آئے گا۔ ثُمَّ لَا یَکُوْنُوْٓا اَمْثَالَکُمْ..... ($\frac{47}{38}$)۔ وہ اس سابقہ قوم جیسی نہیں ہوگی۔ وہ اس نظام کو قائم کر دے گی۔ اسلامی نظام نہ کسی خاص خطۂ زمین کے ساتھ وابستہ ہے، نہ کسی خاص قوم سے مختص۔ یہ عالمگیر انسانیت کا نظام ہے اور اسے بالآخر قائم ہو کر رہنا ہے۔ لہٰذا، ہمارے لئے مایوسی کی کوئی بات نہیں۔ بس اتنا سا احساس کبھی کبھی اندازنہ ضرور ہو جاتا ہے کہ سے

محبت کرنے والے کم نہ ہوں گے!
تیری محفل میں لیکن ہم نہ ہوں گے

والسلام

---(۰)---

طلوعِ اسلام

پرویز صاحب نے اپنے خطاب میں جس میگزین (ایشیا ویک۔ ۴؍ دسمبر ۱۹۸۱ء) کا حوالہ دیا ہے، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس کی ان عبارات کا جو زیرِ نظر موضوع سے متعلق ہیں، (اصل) انگریزی متن بھی شائع کر دیا جائے۔ اسے آئندہ صفحات پر ملاحظہ فرمائیے۔

SOUTH ASIA 4th December 1981

Interview

Zia's Islam on Adultery: Stone them to Death!

At his home in Rawalpindi one evening last week, Pakistan President Zia-ul Haq, 57, talked for 2½ hrs. with *Asiaweek* Editor-in-Chief Michael O'Neill. Excerpts from that conversation:

X X X X X X X X X

You've said often Islam is a complete code for living. Has Islam solved any of Pakistan's economic or political problems?

Islam is a code of conduct for your *total* behaviour — as a man, as a member of the family, as a member of the nation, as a member of the comity of nations. Islam believes in the "commonwealth" of Muslim states. From that point of view, it offers you solutions to your economic problems, political problems, religious problems, educational problems; it gives you guiding lines, principles.

How can Islam be a code of conduct if your own government appeals against a decision by the Shariat Bench, which has ruled that stoning to death for adultery is an unIslamic punishment?

The Shariat decision was that this particular man should not be stoned to death. The government is appealing on that and saying he *should* be stoned to death! The law of the rajim is that if it is proved that a man has committed adultery — and there are a lot of inbuilt safeguards — then he and she should be stoned to death.

That's not stated anywhere in the Koran.

No. There are two aspects. The Koran gives the principle their explanation is formed in the Hadith, so together they form the Sharia. Now, the Sharia law on adultery is that if a man has been seen by four individuals committing adultery with a woman, then he has to be stoned to death. This is the law! It's an illegal sexual act. There's no confusion. *Zinnah* is sexual intercourse between a man and a woman who are not married. If you have those four eyewitnesses, and a man is proved guilty, stone him to death!

So why didn't the Shariat Bench reach that conclusion?

If there are not four witnesses and the man admits having committed adultery, being fully aware of the consequences, then he should be made guilty. What the Shariat court decided, with one dissenting vote, was that this law of rajim is not Koranic law. This is what the government is appealing against, because we consider the Shariat court [members] have not done their homework, and have been taken away by emotion. We said, no, it *is* a Koranic injunction. We'll present our case, and they'll present their case, and we hope the Supreme Court will come out with that...

When will the Supreme Court hear the case?

That's up to the Supreme Court. I have no jurisdiction over the Supreme Court.

Saudi Arabia didn't indicate to you that the Shariat ruling was a rather dangerous precedent, and that it might be a good idea to appeal?

No. We run this country ourselves.

The fact remains that Pakistan is not chopping off people's hands and heads, or stoning people to death.

No, it's not. You can't stone people to death. The basic philosophy of Koranic law is that we should have a deterrent force. How can you have a man [having sexual intercourse with] somebody else with *four witnesses!* Can you ever have it? *Impossible!*

Is that deterrent value, then, the only reason the government is appealing?

No. Zinnah, theft, drinking, and accusing another man falsely: these are the only four laws where the Koran has prescribed the maximum punishment. So if a man and a woman have not been proved guilty of adultery [for lack of] evidence, then they will get lesser punishment, which could amount to seven years of rigorous imprisonment, 50 lashes, a fine of 200,000 rupees. Stoning to death is the maximum punishment.

Still, you're going to have it on your books. Do you want to see in Pakistan the kind of punishments being meted out in Iran, for example?

Without commenting on the situation in Iran: we introduced these things in February 1979. So far not a single hand has been cut off, no man has been stoned to death, or lashed for drinking — because you can't find the proof the Koran demands. Therefore the maximum punishments have not been enforced. Lesser punishments have been enforced. A man accused of zinnah has been given fourteen years' rigorous imprisonment, which is not a joke.

The Battle for Pakistan

* * * But beyond the Soviet threat, and the perceived menace from India, and the frustrations of a populace that believes a democratic tradition is being strangled, is a problem that has far-reaching implications not only for Pakistan but for the region as a whole. It is of Zia-ul Haq's own making, and its name is Islamisation.

When he seized power in 1977, Zia said his first priority was to restore democracy, to hold elections. Nowadays he openly admits that his first priority is to "Islamise" Pakistan. Few of the country's 85 million citizens, nearly 90% of whom are Muslims (mainly Hanafi Sunni) would contest that ambition, since an Islamic society would be a just, equitable and democratic one. But there are no role models, even among Pakistan's deeply religious neighbours to the west. There are only, as Chaudhri Ghulam Ahmad Parwez, perhaps Pakistan's foremost Islamic scholar, puts it, "governments run by Muslims."

Among concerned citizens, Zia's Islamisation program is nowhere more worrying than in the field of, first, the law, and second, women's rights. The President wants to see women and girls in *chador* and some schools have begun compelling female students to veil themselves. There is much resistance to this and to demands by some fundamentalists (supported, it is said, by the President) for repeal of the Muslim Family Laws Ordinance of 1961, which does give women some protection under the law in matters such as divorce. But by far the most controversial specific instance of misdirected "Islamisation" concerns *rajim*, the punishment of stoning to death for illicit sexual intercourse.

As part of his Islamisation program, Zia, by President's Order 3 of 1979, amended the Constitution to set up Shariat, or religious, benches in Pakistan's four provincial high courts. Designated justices were both high court judges and members of the Shariat benches until March 1981, when the functions were separated. There is now a federal Shariat court, the provincial versions having been abolished.

Six months ago the Shariat court ruled that the government's 1979 law of *rajim* — stoning to death for offences such as adultery — was not Koranic law and was therefore unIslamic. The Zia Administration is appealing that verdict on the ground that the judges, as the President told *Asiaweek*, "didn't do their homework." Zia, in short, believes that the punishment is Islamic. It is a confusion that in recent months has exercised Muslim minds from West Asia to Southeast Asia, and to get to the bottom of it, *Asiaweek*'s O'Neill last week visited Parwez, 78, in his book-lined study in Lahore. This is what Chaudhri Ghulam Ahmad Parwez said:

"The first thing to know, when you call a thing Islamic, is: What is the authority for it? When we say 'This is constitutional,' there is an authority for it — the Constitution. It presupposes the existence of a constitution that forms an authority to say what is constitutional and what is not.

"There must be a common authority for all Muslims. When they call themselves Muslims it means they accept Islam, and if there is one common authority for Islam, then that must be the common authority by which all Muslims decide whether something is Islamic or not — whether it is the law of rajim or some other laws or rules of the state.

"Islam is not a religion. It is a code of life, a system of living. Islam is about the nation of the community: It presupposes the existence of a state.

"What is the authority? It may be the Shariat court, it may be the President of Pakistan, it may be a common man. If we define that, half the problem is solved. If there *is* one common authority, it does not matter what the Shariat court *says* is Islamic, or what *I* say is Islamic. Have you asked this question of the President?

"Thinking based on common sense is very near the Islamic laws. The *authority* is the Koran. It is the only authority: immutable. When one accepts that, one becomes a Muslim, and one remains a Muslim for as long as one accepts it. It is not a question of this view or that view.

"Even in secular laws, when we say something is 'legal' we mean 'It is according to this or that law.' That law must exist. It presupposes the existence of some law which is acceptable to all the parties. So when we talk about Islam — whether in India or Singapore or Pakistan, whether it is an ordinary Muslim or a head of state or a 'divine mullah' — we must say: 'This is the authority.' And the only authority for being Islamic is the Koran.

"It is a perfect authority. No addition or subtraction can be made because, according to the Koran, Allah said it is complete. Nothing against it can constitute an authority for being Islamic. What is not there is not Islam. The Koran says that even the Prophet had not the authority to make any change; the Prophet himself says in the Koran, 'I am not authorised to make any changes.

"Some people accept authorities other than the Koran. They accept the Traditions of the Prophet, which I call history. Then there is *fica* [jurisprudence]. Some jurists, about 1,000 years back, constituted certain laws. They are man-made laws, and the state enforced them at that time as the laws of government. They are not Koranic. Whatever in those laws is according to the Koran we can accept as Islamic *because* they are according to the Koran. If a non-Muslim state makes a law which is according to the Koran, we will say, 'That law is according to the Koran.' If a Muslim state makes a law which is against the Koran, we will not accept it as Islamic.

"No state in the world accepts the Koran as the final and only authority: they all accept these jurists' laws, *fica*, or the Traditions attributed to the Holy Prophet — history! Yet it is possible to have an Islamic state. The Koran is there. Unchanged, immutable, in the same form in which, according to our belief, it was revealed by God, given by the Prophet to the people. Not a single comma therein has been changed.

"The Koran has definitely given the punishment for zinnah [illegal sexual intercourse]: only stripes [lashes]. It is *clearly* given. Rajim is not Koranic.

"When the government enforced this law of rajim, it did not say there was any secularism in it. It says secularism is against Islam. For everything, they say 'It is Islamic.'

"Since the majority of people in Pakistan accept these laws [fica] as Islamic, the government says they should be accepted as Islamic. The court has said it is not a question of majority or minority. Even if one Muslim *proves* this is against the Koran, it becomes against the Koran. Those who challenged this law in the Shariat court have proved it is against the Koran. That is why the law must be repealed.

"A state can be called Islamic only if it acts according to the Koran. If some higher court says that laws accepted by the majority of the people in this country are Islamic laws, then does this law promulgated by the government become Islamic? If the appeal is successful it will become the law of the land. But it will not be an Islamic law."

Nobody has yet been stoned to death in Pakistan, though there have been floggings aplenty, and President Zia hints (*Interview, following pages*) that it will never come to that. But as the ageing, ailing Parwez points out, "That is strange, because *if* this is an Islamic state and if these *are* Islamic laws, they must be enforced — whatever the consequences."